خواجہ میر درد

قاضی جمال حسین

ہندستانی ادب کے معمار

اردو شعرا کی تاریخ میں، خواجہ میر درد کا نام، ان کی غیر معمولی شخصیت اور تخلیقی صلاحیت کے سبب، نہایت ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کے معاصرین اور بعد کے لوگوں نے بھی، ان کے علم و فضل، روحانی کمالات، اور پُرکشش شخصیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ اردو، فارسی اشعار کے علاوہ، سیر و سلوک سے متعلق ان کی متعدد تصانیف تصوّف کے نہایت لطیف اور دقیق مسائل پر خواجہ میر درد کی کامل دستگاہ کا اشاریہ ہیں۔ ایک طویل مدت تک ان کی قیام گاہ، دہلی کے خواص اور عوام سبھی کے لیے سرچشمۂ فیضان رہی۔ بڑے بڑے موسیقار، ادیب، شاعر، اور روحانی ترنیات کے جویا سبھی نہایت ارادت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حسبِ توفیق و استعداد کسبِ فیض کرتے۔

اردو شعرا میں درد کا امتیاز یہ ہے کہ ان کا ایک منضبط فکری نظام ہے جو ان کی شاعری اور نثری تحریروں کو ایک وحدت عطا کرتا ہے۔ صوفیانہ تجربات کو تخلیقی اظہار کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا، اور پھر غزل کی مخصوص روایت اور رسومیات کا پاس و لحاظ رکھنا درد کا اہم کارنامہ ہے۔

اس کتاب میں درد کی زندگی، ان کی شخصیت اور تصانیف سے قاری کو روشناس کرانے کے علاوہ، ان کی شاعرانہ خصوصیات، اور صوفیانہ افکار پر بھی، سلیس اور عام فہم زبان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر قاضی جمال حسین اس وقت شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے اردو اکیڈمی اترپردیش کے لیے "داغ" کی غزلوں کا انتخاب بھی کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ اردو کے مقتدر ادبی رسالوں میں ان کے متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

اُمید ہے کہ "ہندوستانی ادب کے معمار" کے سلسلہ کی دیگر مطبوعات کی طرح ساہتیہ اکیڈمی کی یہ پیش کش بھی مفید اور مقبول ہوگی۔

دس روپے

سرورق کے آخری صفحہ پر سنگ تراشی کے جس نمونے کی تصویر دی گئی ہے، اس میں، جیوتشی بھگوان بدھ کی ماتا مہارانی مایا کے خواب کی تعبیر بیان کر رہے ہیں۔ اور ان کے نیچے ایک کاتب بیٹھا ان کی تعبیر قلمبند کر رہا ہے۔
یہ شاید ہندستان میں لکھنے کے فن کی قدیم ترین تصویری مثال ہے۔

(ناگارجن کونڈہ۔ دوسری صدی عیسوی)
(بشکریہ نیشنل میوزیم۔ نئی دلی)

ہندوستانی ادب کے معمار

خواجہ میر درد

(۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۱ء — ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۵ء)

قاضی جمال حسین

ساہتیہ اکادمی

Khwaja Mir Dard : A monograph by Qazi Jamal Husain on the medieval Urdu poet. Sahitya Akademi, New Delhi (1991), Rs. 10.

© ساہتیہ اکادمی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۱ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس

رویندر بھون، ۳۵۔ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
سیلس آفس : سواتی، مندر مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر :

جیون تارا بلڈنگ۔ چوتھی منزل، ۲۳ اے/۴۴ ایکس۔ ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۵۳
۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۱۴
۲۹، ایلڈامس روڈ، تینام پیٹھ، مدراس ۶۰۰۰۱۸

قیمت : دس روپے

ISBN 81-7201-155-5

مطبوعہ : اے۔ون آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی ۲

ترتیب

(۱)	اسلاف	۷
(۲)	حالاتِ زندگی	۲۰
(۳)	تصانیف	۵۴
(۴)	نظامِ افکار	۸۲
(۵)	شاعری	۹۹

اَسلاف

خواجہ میر دردؔ کے اجداد بخارا کے قدیم باشندے تھے۔ اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے خانوادے سے براہِ راست تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب نامہ والد کی طرف سے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقش بند اور والدہ کی طرف سے سید عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اپنی تصانیف میں اپنے بزرگوں اور اسلاف کے ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ اپنی عالی نسبی و نجابت کو بھی تحدیث نعمت کے طور پر صراحت سے بیان کیا ہے۔ **خواجہ میر درد پدری اور مادری ہر دو جانب سے اپنے اجداد کے سادات صحیح النسب ہونے کو خدا کی ایک بڑی نعمت تصور کرتے تھے۔**

اپنی مشہور تصنیف "علم الکتاب" میں دردؔ نے لکھا ہے کہ خواجہ بہاؤالدین نقش بند جو صحیح النسب حسینی سید ہیں گیارہ (۱۱) واسطوں سے بندہ کے جدّ پدری ہیں۔ اور خواجہ نقش بند کا سلسلہ نسب تیرہ (۱۳) واسطوں سے حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اس طرح کل پچیس (۲۵) واسطوں سے خواجہ میر درد کا شجرہ نسب امام عسکری تک پہنچتا ہے۔

خواجہ بہاؤالدین نقش بند، تصوّف کے مشہور سلسلہ نقش بندیہ کے بانی تھے۔ اور ان کا اصل نام محمد بن محمد البخاری تھا۔ ان کے نام کے ساتھ خواجہ کے لقب اور نقش بند کی نسبت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ خواجہ بہاؤالدین اور ان کے والد کا پیشہ کم خواب بافی تھا۔ اور یہ حضرات اس پر نقش بنانے کا کام بھی کرتے تھے۔ لہٰذا نقش بند کہلائے۔

پیشہ کی اسی نسبت کی رعایت سے آپ کے سلسلۂ تصوّف کا نام، نقش بندیہ قرار پایا۔ لفظ خواجہ کی تحقیق خود میر درد نے "علم الکتاب" میں بیان فرمائی ہے۔ کہ خواجہ کے معنی "مالک اور سردار" کے ہوتے ہیں چنانچہ اس لفظ کا اطلاق "مولیٰ الموالی" کی ذرّیات اور اولاد پر ہوتا ہے۔ اور اکابر سادات کے ساتھ "خواجہ" کا لقب استعمال کیا جاتا ہے، خواجہ بہاؤ الدین نقش بند چونکہ صحیح النسب حُسینی سید تھے اس لیے خواجہ کہے جاتے ہیں۔

خواجہ بہاؤالدین نقش بند سادات بخارا میں تھے اور ۷۱۸ء میں بخارا میں خواجہ عبداللہ بخاری کے گھر پیدا ہوئے۔ خواجہ بہاؤالدین نقش بند کی روحانی نسبت حضرت سیّد امیر کلال سے تھی جن کا شجرہ نسب ایک طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور دوسری طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب نے اپنے رسالہ موسوم بہ "ہوش افزا" میں اپنے خاندانی حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور بخارا سے اپنے اجداد کے ہندوستان آنے کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ خواجہ ناصر عندلیب کے بیان کے مطابق ان کے مورثِ اعلیٰ جنھوں نے ہندوستان کے لیے رختِ سفر باندھا، تین (۳) بھائی تھے۔ خواجہ محمد طاہر، خواجہ محمد یعقوب اور خواجہ فتح اللہ ان کے ہمراہ ان بھائیوں کی دو اولادیں بھی تھیں۔ ایک تو خواجہ محمد صالح، جو خواجہ محمد طاہر کے لڑکے تھے۔ اور دوسرے خواجہ موسیٰ، جو خواجہ محمد یعقوب کی اولاد تھے۔

خواجہ محمد طاہر چونکہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اس لیے انھوں نے فرماں روائے وقت، عالمگیر سے ملاقات کی۔ عالمگیر نہایت احترام اور عقیدت سے اُن کے ساتھ پیش آیا۔ اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر تیمور لنگ تک متعدد مغل بادشاہ سلسلہ نقش بندیہ کے بزرگوں سے نہ صرف عقیدت رکھتے تھے بلکہ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ اس لیے عالمگیر کے دربار میں اس نسبت کی وجہ سے ان حضرات کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے ان فرزندوں کی، حسبِ مراتب توقیر میں عالمگیر نے کوئی دریغ نہ کیا۔

خواجہ محمد طاہر اور ان کی اولاد کے ساتھ عالمگیر کے اس سلوک اور خصوصی توجہ کا اصل سبب یہ تھا کہ مغل بادشاہ بہت پہلے سے، تصوّف کے سلسلۂ نقش بندیہ سے

ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور یہ حضرات براہِ راست اس سلسلہ کے سربراہ خواجہ بہاؤالدین نقش بند کی اولاد تھے۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں کے مورثِ اعلیٰ امیر تیمور، خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے پیرو مُرشد، حضرت امیر کلال سے مرید تھے اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے بڑے معتقد تھے۔ مزید یہ کہ عہد عالمگیر سے پہلے بھی متعدد مغل بادشاہوں نے نقش بندیہ بزرگوں کے یہاں ازدواجی روابط پیدا کیے، اور اس باہمی رشتے کو مزید استحکام بخشا۔ بادشاہ عالمگیر خود بھی نقش بندیہ سلسلہ کے معروف بزرگ، خواجہ محمد الف ثانی کے فرزند اور خلیفہ خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ چنانچہ قدیم ازدواجی روابط کے علاوہ عقیدت اور ارادت مندی کے سبب عالمگیر نے خواجہ محمد طاہر اور ان کے اعزّہ کی منزلت کو اپنے لیے باعثِ سعادت تصور کیا۔

خواجہ محمد طاہر کو عالمگیر نے منصب عطا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اپنی درویشانہ افتادِ طبع کی وجہ سے خواجہ طاہر نے انکار کیا اور کچھ ہی دنوں بعد عالمگیر سے اجازت لے کر حج کرنے کی غرض واپس چلے گئے۔ صاحب "مآثر عالمگیری" نے اپنے روزنامچے میں حج کرنے کے بجائے خواجہ طاہر کے وطن واپس چلے جانے کا ذکر کیا ہے۔ "مآثر عالمگیری" اورنگ زیب کے زمانے کا ایک مستند تاریخی دستاویز ہے کیونکہ اس کا مصنف "محمد" ساقی خاں مستعد اورنگ زیب کا ملازم تھا اور دربار کے احوال و کوائف کا روزنامچہ مرتب کرنے پر مامور تھا۔ اورنگ زیب کے زمانے کے بیشتر اہم واقعات، تاریخ وار اس روزنامچے میں موجود ہیں۔ اس کے مطابق خواجہ محمد طاہر نے (جو شہزادہ مراد بخش کے داماد خواجہ محمد صالح کے والد تھے)، خلوت میں وطن واپس جانے کی درخواست کی، جہاں پناہ نے خواجہ مذکور کو پانچ سو اشرفیاں عنایت فرما کر ان کا معروضہ قبول کیا۔

عالمگیر نے خواجہ محمد طاہر کے لڑکے خواجہ محمد صالح کو نمایاں منصب عطا کیا، اور اپنے بھائی شہزادہ مراد بخش کی بیٹی آسائش بیگم سے ان کا نکاح نہایت شان و تزک و احتشام سے کیا۔ شادی کی یہ تقریب دوسری جمادی الآخر ۱۰۸۲ھ کو ہوئی۔

خواجہ طاہر کے دوسرے بھائی خواجہ محمد یعقوب کو بھی عالمگیر نے منصب عطا کیا، اور شہزادہ مراد بخش کی دوسری بیٹی ان کے نکاح میں دی۔

خواجہ محمد موسیٰ ولد خواجہ محمد یعقوب کو منصب دے کر شہزادہ محمد معیز الدین کی

بیٹی ان کے نکاح میں دی۔

خواجہ فتح اللہ (جو خواجہ محمد طاہر کے بھائی تھے)، کو بھی عالمگیر نے منصب عطا کیا اور ان کا نکاح بھی شاہی خاندان میں کرنا چاہا۔ لیکن خواجہ محمد فتح اللہ نے مغلیہ شاہی خاندان میں شادی سے گریز کیا، خواجہ فتح اللہ کے پیشِ نظر خاندانی نجابت اور نسبی سیادت کا تحفظ زیادہ اہم تھا۔ اس لیے مغلیہ شاہی خاندان میں شادی کرنا ان کے نزدیک آلِ رسول کے نسب نامے کو مجروح کرنے کے مترادف تھا۔ عالمگیر چونکہ اس خاندان کی خدمت اور دلجوئی کو باعثِ سعادت تصور کرتا تھا اس لیے اس نے اپنے معتمدِ خاص میر بخشی سر بلند خاں کی ہمشیرہ سے خواجہ فتح اللہ کا نکاح کروایا۔ نواب سر بلند خاں صحیح النسب سید اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند کی اولاد میں سے تھے۔

میر اثر نے اپنی مثنوی "بیانِ واقع" میں بھی شاہی خاندان میں شادی سے خواجہ فتح اللہ کے انکار کی یہی وجہ بیان کی ہے۔

او بذاتِ خود نہ کرد ایں را قبول — تا نہ گردد مختلط آلِ رسول

خواجہ فتح اللہ جنھوں نے اپنے نسب نامے کو اختلاطِ غیر سے محفوظ رکھنے کا اس درجہ اہتمام کیا، خواجہ میر درد کے پیر دادا تھے۔ اور خواجہ فتح اللہ کے فرزند، خواجہ ظفر اللہ میر درد کے دادا تھے۔

خواجہ محمد طاہر کا خاندان اور ان کے بہ قریبی اعزہ، مغلیہ دربار میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے۔ کچھ تو امورِ مملکت میں ان حضرات کی کارگزاریاں اور کچھ مرشد زادگی، انھیں خواص کے زمرہ میں شامل رکھتی تھی۔ مآثر عالمگیری کے مصنف نے اپنے روزنامچے میں نواب فتح اللہ خاں کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ عالمگیری میں یہ کس قدر معاملات میں دخیل اور امورِ مملکت سے آگاہ تھے۔

درد کے مشہور سوانح نگار ناصر نذیر فراق نے، میر درد کے دادا خواجہ سید محمد ظفر اللہ ولد خواجہ فتح اللہ کو ناموں میں بڑی حد تک یکسانیت کے سبب نواب ظفر اللہ خاں روشن الدولہ کے ساتھ ملا دیا ہے، جب کہ تاریخی شہادتوں سے ان دونوں شخصیتوں کے علاحدہ وجود کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب مآثر الامرا اور تاریخ محمدی نے روشن الدولہ کا سال وفات ۱۱۴۸-۴۹ھ لکھا ہے جب کہ خواجہ میر اثر نے اپنی مثنوی بیانِ واقع میں خواجہ ظفر اللہ کی تاریخ

وفات ۱۱۱۸ھ بتائی ہے ؎

یک ہزار و یک صد و ثامن عشر — در محرم کرد از دنیا سفر

(ترجمہ۔ ایک ہزار ایک سو اٹھارہ ہجری میں، محرم الحرام کے مہینہ میں خواجہ ظفر اللہ نے دنیا سے رحلت فرمائی)۔

غرض میر درد کے دادا خواجہ ظفر اللہ کا روشن الدولہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

خواجہ ظفر اللہ کی شادی سید لطف اللہ بن سید شیر محمد قادری کی صاحبزادی سے ہوئی جو شاہ عبدالقادر جیلانی کے خاندان سے تھیں۔

خواجہ ظفر اللہ کے بیٹے خواجہ محمد ناصر عندلیب کی ولادت ۲۵ شعبان ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۱ء کو ہوئی۔ یہی خواجہ ناصر عندلیب میر درد کے والد اور ان کے روحانی مرشد و مربّی تھے۔ خواجہ ناصر عندلیب کی ولادت کا قطعۂ تاریخ آپ کے ایک شاگرد اور مرید شاہ بیدار نے کہا ہے جس کے آخری مصرعہ سے ۱۱۰۵ھ برآمد ہوتا ہے ؎

در وجود آمد چوں ذاتِ آں ولی — شُد کمالاتِ امامت منجلی

سالِ تاریخش مرا الہام شُد — وارثِ علمِ امامین و علی

۱۱۰۵ھ

خواجہ محمد ناصر کے حالاتِ زندگی، ان کی افتادِ طبع، اور شخصیت کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی خود ناصر عندلیب کی تصانیف "نالۂ عندلیب" اور رسالہ "ہوش افزا" سے پڑتی ہے۔ خواجہ میر درد نے علم الکتاب اور رسائل اربعہ میں بھی جستہ جستہ اپنے والد کے حالات اور روحانی کمالات کا تذکرہ کیا ہے۔ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر کی مثنوی بیانِ واقع میں بھی خواجہ ناصر عندلیب کے مجاہدہ، ریاضت اور نسبت مع اللہ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

"خواجہ محمد ناصر عندلیب" نے متداول علوم کی تحصیل کب اور کس سے کی؟ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ آپ کے باپ اور دادا چونکہ دربار سے متعلق تھے اور بڑے عہدوں پر فائز تھے اس لیے آپ نے بھی شاہی دربار میں ملازمت اختیار کی، اور فنِ سپہ گری میں کمال حاصل کیا۔ اپنی لیاقت اور صلاحیت سے خواجہ ناصر نے دنیوی شان و شوکت بھی حاصل کی اور ایک لشکر کے سردار مقرر ہوئے۔ خواجہ ناصر ایک عرصہ تک عسکری خدمات

نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔

خواجہ ناصر عندلیب نے ان امور میں اس درجہ کمال اور درک پیدا کیا کہ بعض آلاتِ حرب اور بہت سی مفید ایجادات بھی کیں۔ جن کی تفصیلات ان کی تصنیف نالۂ عندلیب سے معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً پلنگ سفری، حمام ہر مقام، نصرت بخش کبیر، نصرت بخش صغیر اور خانۂ رواں وغیرہ۔ ان اختراعات میں لوائے محمدی اور ناصری اپنی افادیت کے اعتبار سے اہم ہیں۔ ناصری لکڑی کا ایک ایسا آلہ تھی جس سے آپ سہارے کا کام لیتے تھے۔ جب خواجہ ناصر رات کو سجّادہ پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تھے تو ناصری کا سہارا لے کر تھوڑی دیر آرام کر لیتے تھے۔ اور جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو ناصری کندھے پر ہوا کرتی تھی۔ ناصر نذیر فراق نے اپنی والدہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خواجہ ناصر عندلیب کے دوشِ مبارک کی ناصری غدر تک ان کے گھر میں موجود تھی۔ اس پر غلاف چڑھا رہتا تھا اور نہایت اونچی جگہ رکھی رہتی تھی۔ مریضوں کے لیے اُسے دھو کر پلانا، اکسیر کی خاصیت رکھتا تھا۔

لوائے محمدی ایک مخصوص قسم کی تلوار تھی جس سے خطرناک درندوں اور جنگلی جانوروں کے علاوہ دشمن کا مقابلہ بھی نہایت آسانی کیا جا سکتا تھا۔ اس سے حملہ کے علاوہ ڈھال کا کام بھی لیا جا سکتا تھا۔

خواجہ ناصر کب اور کن حالات میں شاہی ملازمت سے علاحدہ ہوئے؟ قطعیت اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ ناصر نذیر فراق نے غایتِ ارادت سے لکھا ہے کہ دنیا اور علائقِ دنیا سے آپ کی بیزاری اور نسبت مع اللہ کی تکمیل ہی دربارِ شاہی سے آپ کی دست برداری کا سبب ہوئی۔ دادا اور والد دونوں ہی کے انتقال کے بعد چونکہ اس فیصلہ سے منع کرنے والا بھی کوئی دوسرا شخص نہ تھا اس لیے دنیوی جاہ اور اس کی بے حقیقتی سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے باقی ماندہ زندگی فقر و فاقہ میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اور تزکیہ باطن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ درویشی کو سرمایۂ زندگی سمجھ کر ناصر عندلیب نے اپنی تمام عمر، تصوف اور سلوک کی دشوار گزار راہوں کو طے کرنے میں لگا دی۔ حصولِ معرفت کی خاطر، سخت مجاہدہ اور ریاضت شب و روز کا معمول بن گیا۔ کئی کئی دنوں تک خود کو حجرے میں بند کر لینے۔ اور مراقبہ میں اس درجہ محو ہوتے کہ کسی بھی چیز کا ہوش باقی نہ رہتا۔ استغراق اور خود فراموشی کی یہ کیفیت کبھی طویل بھی ہو جاتی۔ چنانچہ اسی نوع کا ایک اہم واقعہ اُس

طریقۂ محمدیہ کا نقطۂ آغاز ہے جس کی ترویج خواجہ میر درد سے منسوب ہے۔ اور جسے میر درد کے نظامِ افکار میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ خواجہ میر درد نے علم الکتاب میں اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے

"حسبِ معمول خواجہ محمد ناصر کی ایک بار، حجرہ کے اندر استغراق اور خود فراموشی کے عالم میں سات روز اور چھ راتیں گزر گئیں، بھوک اور پیاس کی شدت اور ضعف کے سبب، آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ یادِ خدا سے چند لمحوں کی یہ غفلت آپ کو نہایت شاق گزری اور آپ نے خود کو زد و کوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں وہ تاریک حجرہ، غیر معمولی نور سے روشن ہو گیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک نوجوان بہشتی لباس میں ملبوس، آپ سے مخاطب ہے کہ اے ناصر، تو اپنے نفس پہ یہ کیا ستم کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے بدن کی چوٹیں ہمارے دل پر پڑتی ہیں۔ اور تیری تکلیف سے ہمارے جد علیہ التحیہ والثنا کو اذیت پہنچتی ہے۔ ہرگز ہرگز اب ایسا نہ کرنا۔ خواجہ ناصر اس غیر متوقع منظر سے گھبرا گئے۔ اور عرض کیا کہ حضور! صرف اس غرض سے کہ عرفانِ الٰہی حاصل ہو جائے۔ انھوں نے خواجہ ناصر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور جو دولت ان کے سینے میں تھی، خواجہ ناصر کے سینے میں منتقل کر دی۔ اُسی حجرہ میں انھوں نے خواجہ ناصر کو بیعت بھی کیا۔ اور جو دولت اولیاء اللہ برسوں کی ریاضت کے بعد پاتے ہیں، آن کی آن میں خواجہ ناصر کو حاصل ہو گئی۔ اور فرمایا کہ میں حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ ہوں۔ اور نانا جان نے مجھے تیرے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں معرفت اور ولایت سے تجھے مالا مال کر دوں۔ یہ خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوّت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ ہم خوشی سے تجھے اجازت دیتے ہیں کہ اس نعمت سے تو جہاں کو سیراب کر!

خواجہ محمد ناصر نے امام حسن کی روح سے درخواست کی، کہ یہ طریقہ جو آپ نے اس خاکسار کو مرحمت فرمایا ہے اگر اجازت ہو تو اس کا نام "طریقۂ حسنیہ" رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اے فرزند! یہ اوروں کا کام ہے کہ نام و نمود کے لیے اپنے طریقہ کا نام بھی نرالا رکھیں۔ ہم سب فرزندانِ رسول، دریائے عینیت میں گم ہیں اور دریائے محمدیت میں غرق ہیں۔ ہمارا نام محمد ہے ہمارا نشان محمد ہے، ہماری ذات، ذاتِ محمد اور ہماری صفات، صفاتِ محمد ہیں۔ اس لیے اس طریقہ کا نام طریقۂ محمدیہ ہے۔

مزید فرمایا کہ اگرچہ تم اپنی مراد کو پہنچ گئے ہو اور تمہیں کسی شیخ کی حاجت نہیں مگر چونکہ عالمِ ظاہری میں بیعت کرنا بھی سنّتِ محمدیہ ہے اس لیے تم کسی بزرگ سے بیعت کر لینا اس تعلیم و تلقین کے بعد حضرت امام حسن کی روحانیت عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔

حضرت امام حسن کی ہدایت کے مطابق آپ کو کسی مرشدِ کامل کی تلاش ہوئی چونکہ خواجہ محمد ناصر، خواجہ بہاؤالدین نقش بند کی اولاد سے تھے اور اس وقت دہلی میں شیخ سعد اللہ عرف شاہ گلشن، نقش بندی سلسلہ کے مشہور بزرگ اور مرجع خلائق تھے۔ اس لیے آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بیعت کی درخواست کی۔ لیکن حضرت امام حسن کی روحانیت کی کیفیت سن کر خواجہ ناصر کو بیعت کرنے میں انھیں تامل ہوا۔ اور یہ عذر فرمایا کہ آپ ہمارے بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقش بند کی اولاد ہیں۔ میری کیا مجال کہ میں آپ کو مرید کروں۔ آپ میرے مرشد زادے ہیں چونکہ امتثالِ امر بھی ضروری ہے اس لیے آپ غریب خانہ پر تشریف لایا کیجئے۔ مجھ سے جو کچھ ممکن ہوگا بغیر ظاہری بیعت کے، کرنے کی کوشش کروں گا۔"

سلوک و معرفت سے قطع نظر شاہ گلشن اپنے مذاقِ سخن اور شاعرانہ ذوق کے سبب بھی، دہلی میں سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتے تھے۔ شاہ جہاں آباد کے اہل علم و فضل، ادیب و شاعر سبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور حسبِ توفیق، کسبِ فیض کرتے۔ خواجہ ناصر عندلیب نہ صرف موزوں طبع تھے بلکہ شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے بھی آپ کو سعد اللہ گلشن سے ذہنی مناسبت ہو گئی۔ اس تعلقِ خاطر کا اثر، خواجہ ناصر عندلیب کی تحریروں میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ باطنی تربیت اور روحانی تعلیمات کے سوا، زندگی کی بعض دوسری دل چسپیوں میں بھی ناصر عندلیب پر حضرت شاہ گلشن کے فیضِ صحبت کا اثر نمایاں ہے۔

سلسلۂ نقش بند میں بیعت ہونے اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے سلسلۂ نسب میں ہونے کے باوجود، محفلِ سماع اور فنِ موسیقی سے دل چسپی، فطری رجحان کے علاوہ، حضرت شاہ گلشن دہلوی کی صحبتوں کا بھی نتیجہ تھی۔ کیونکہ تصوف کے دوسرے مسلکوں کے مقابلہ میں نقش بندی علما اور صوفیا احکامِ شرعیہ کے سخت پابند اور غنا اور موسیقی کی حرمت کے قائل ہیں۔ فنِ موسیقی سے شاہ گلشن کی دل چسپی کا اثر خواجہ ناصر

عندلیب کے ساتھ ساتھ خواجہ میر درد پر بھی گہرا پڑا۔ اور درد نے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ اگرچہ سماع سے اپنی دل چسپی کو درد نے ایسی ابتلا قرار دیا ہے جس میں وہ مرضی الٰہی سے گرفتار ہیں۔

شاہ گلشن کو فنِ موسیقی میں ایسا ملکہ حاصل تھا اور اس فن کے رموز و نکات سے وہ اس درجہ آشنا تھے کہ اپنے عہد میں وہ خسروِ ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تمام روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کے باوجود، خواجہ ناصر عندلیب نے شاہ گلشن سے جب بیعت کی درخواست کی تو آپ نے خواجہ ناصر کو حضرت خواجہ محمد زبیر نقش بند کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔" رسالہ مظہریہ" اور "حالات و مقامات مرزا مظہر" سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ محمد زبیر اپنے روحانی مرتبے اور نسبت مع اللہ کی وجہ سے "قطبِ ارشاد" اور "قیوم زمانہ" کے بلند ترین منصب پر فائز تھے۔ خواجہ محمد زبیر حضرت حجۃ اللہ نقش بند کے خلیفہ اور نبیرہ تھے۔ شاہ گلشن کے اُن سے گہرے مراسم تھے۔ اور حضرت گلشن دہلوی اپنے ملنے والوں کو اکثر خواجہ زبیر کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہی مشورہ انھوں نے خواجہ ناصر عندلیب کو بھی دیا۔ اور خواجہ ناصر عندلیب نے مشورہ کے مطابق باقاعدہ بیعت، خواجہ محمد زبیر کے ہاتھ پر کی۔ ذاتی مجاہدہ اور خواجہ زبیر کی توجہ سے ناصر عندلیب نے سلوک کی وہ منزلیں طے کیں کہ باید و شاید! مورخین اور تذکرہ نگار جس احترام اور عقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں اس سے آپ کے روحانی مرتبہ کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ خانِ آرزو قیام الدین قائم۔ اور میر تقی میر نے آپ کو مقتدائے عالم، مرکزِ دائرۂ ولایت، اور یکے از مشائخ کبار جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ خواجہ زبیر سے بیعت ہونے کے باوجود فطری مناسبت اور تعلقِ خاطر کے سبب، خواجہ ناصر عندلیب کو شاہ گلشن سے والہانہ عقیدت تھی۔ میر درد نے اپنی تصانیف علم الکتاب اور رسائل اربعہ میں بھی شاہ گلشن کے روحانی فیوض اور ان سے اپنی محبت کا مبہم ذکر اسی تعلق سے کیا ہے کہ ان کے والد اور مرشد کو شاہ گلشن سے خصوصی لگاؤ تھا۔ خواجہ زبیر سے بیعت ہونے کے باوجود خواجہ ناصر نے جس کثرت سے شاہ گلشن کا ذکر کیا ہے اس سے بعض تذکرہ نگاروں میں یہ غلط فہمی

پیدا ہوگئی کہ خواجہ ناصر شاہ گلشن کے مُرید اور ان کے خلیفہ تھے۔

خواجہ ناصر نے نالۂ عندلیب کے دیباچہ میں ان دونوں حضرات کا تذکرہ کیا ہے اور شاہ گلشن کو اپنا مقتدا لکھا ہے اور خواجہ زبیر کے لیے "پیر بزرگوار من" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ خواجہ میر درد کا بیان اس قسم کے تمام شبہات کا ازالہ کر دیتا ہے۔ اور مذکورہ دونوں حضرات سے خواجہ ناصر عندلیب کے تعلق کی نوعیت کو واضح کر دیتا ہے۔ "آہ سرد" میں لکھتے ہیں:

"حضرت محمد زبیر ہمارے قبلہ کونین (یعنی خواجہ ناصر) کے پیر بیعت تھے اور اوائل احوال میں شاہ گلشن ان کے پیر صحبت تھے۔"
(آہ نمبر ۲۵۷)

شاہ گلشن کے ظاہری و باطنی کمالات، ان کی شعر گوئی اور فن موسیقی میں درک کے سبب خواجہ میر درد نے انھیں "گلشن گلہائے کمالات" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

خواجہ ناصر عندلیب فارسی کے شاعر تھے، معاصر تذکرہ نگاروں نے انھیں زمانے کا مشہور شاعر لکھا ہے۔ معرفت اور مسائل سلوک سے متعلق آپ کی دو تصانیف ملتی ہیں۔ پہلی "رسالہ ہوش افزا" یہ ایک تمثیلی رسالہ ہے جسے مصنف نے اپنے مریدوں کی باطنی تربیت کے لیے لکھا تھا، یہ رسالہ درحقیقت شطرنج کی طرح ایک نئے کھیل کی ایجاد کے طور پر لکھا گیا، "تاکہ شطرنج میں وقت ضائع کرنے والوں کی توجہ" کھیل کی دل چسپی برقرار رکھتے ہوئے ایک مفید اور کارآمد کھیل کی طرف مبذول کرائی جا سکے گویا یہ شطرنج کے ایک متبادل لیکن مفید کھیل کی ایجاد تھی جس میں تفریح اور دل چسپی کے ساتھ ساتھ مذہبی معلومات میں اضافہ کا مقصد بھی پیش نظر رکھا گیا تھا۔

خواجہ میر درد کے اسلاف اور خاندانی حالات کی بیشتر معلومات کا مآخذ خواجہ ناصر عندلیب کا یہی رسالہ "ہوش افزا" ہے۔ یہ رسالہ کمیاب ہے اور غالباً شائع نہیں ہو سکا، موجودہ معلومات کے مطابق اب تک اس کے صرف دو نسخے دستیاب ہیں۔ ایک نسخہ تو پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے اور دوسرا میخانۂ درد کے مصنف ناصر نذیر فراق کے پاس تھا۔

خواجہ ناصر کی دوسری تصنیف نالۂ عندلیب ہے۔ جو ان کی شہرت عام کا سبب اور معرفت اور سلوک کی دشوار منزلوں سے ان کی کمال آگہی کا آئینہ دار ہے۔ نو (۹)

اپنچ چوڑے اور تیرہ (۱۳) اپنچ لمبے ایک ہزار آٹھ سو پندرہ (۱۸۱۵) صفحات پر مشتمل خواجہ ناصر کی یہ تصنیف موضوعات کے تنوع اور ہمہ گیری کے باعث تصوف کے علمی سرمایہ میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

خواجہ ناصر عندلیب نے کتاب کے مقدمہ میں خود ہی کتاب کی وجہ تصنیف "باعث تسوید ایں مجموعہ" کے ذیل میں بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"بعض احباب طریقت کے مسائل، سلوک کے مقامات اور اس کے احوال و کیفیات برہنائے حُسنِ ظن اِس امّی (ناخواندہ) سے دریافت کرتے تھے۔ اور بعض ظاہر پرست مُلّا احکام شرعیہ کے حقائق و مطالب (جیسے مسئلہ جبر و اختیار، صراط مستقیم اور میزان کی کیفیت، آخرت میں رویت الٰہی کی نوعیت وغیرہ کی تحقیق کے جویا تھے۔ کچھ لوگ شیعہ سنّی کے اختلافی مسائل میں حق کے متلاشی تھے۔ کچھ لوگوں کو اخلاقِ حمیدہ اور خصائلِ ستودہ کی جستجو تھی۔ بعض یار آشنا عشقِ مجازی کی دل چسپ حکایتوں کا اصرار کرتے۔ صوفی مشرب حضرات مسئلہ وحدتِ وجود، وحدتِ شہود، جیسے مسائل کی تحقیق طلب کرتے۔ علم و منطق کے پرستار قرآن و سنّت کے بجائے عقل و درایت کی روشنی میں، مسائل کا حل پوچھتے۔ غرض ہر شخص مختلف النوع مسائل میں اپنے اپنے طور پر حق کا متلاشی تھا۔ اور خواہش مند تھا کہ اس نے چونکہ بارہا ان موضوعات پر میرے خیالات سنے ہیں، اور میری باتیں ان کے لیے وجہ تسلی ثابت ہوئی ہیں، اس لیے میں اپنے ان افکار پریشاں کو قلم بند کر ڈالوں تاکہ دوسرے بھی میری ان باتوں سے مستفیض ہو سکیں۔ لیکن یہ امّی چونکہ لکھنے پڑھنے سے چنداں واقف نہ تھا اس لیے ان حضرات کی خواہش پوری نہ کر سکا۔ خدا کا کرنا کہ اسی دوران میرے پیر، حضرت خواجہ زبیر کی رحلت کا سانحہ پیش آگیا، اور تمام عزیز دوست، یار آشنا، میری تعزیت اور دلجوئی کے لیے اکٹھا ہوئے اور میرے یہاں مہمان ہوئے۔ اور میں نے ان حضرات کے شکوک کے ازالے سوالوں کے جواب، اور ضیافت طبع کے پیش نظر یہ قصہ (موسوم بہ نالۂ عندلیب) تین راتوں میں بہ زبان ہندی بیان کیا۔ خدا کے فضل سے تمام سامعین اس قصے سے ایسا متاثر ہوئے کہ بایدوشاید! کچھ نے تو اپنے گریبان تک چاک کر ڈالے۔ بالآخر اشارۂ غیبی پاکر میں نے اس پورے قصے کو زبان فارسی قلم بند کر دیا۔ اور طریق تحریر یہ تھا کہ عشا کی نماز کے بعد مخصوص احباب کے روبرو اس قصہ کو بیان

کرتا، میر درد لکھتے جاتے، اور کسی وقت اگر وہ نہ ہوتے تو "بیدار" میرے مُرید قلم بند کرتے۔ بالفرض یہ دونوں نہ ہوتے تو میں خود ہی لکھتا۔ اس طرح ۱۱۵۳ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔

خواجہ میر درد نے اس کتاب کا قطعۂ تاریخ کہا جس کا آخری مصرعہ بلا کم و کاست مادۂ تاریخ ہے۔ خواجہ ناصر نے اس قطعہ کو سُن کر پسند فرمایا تھا اور اسے کتاب کے مقدمہ میں شامل کیا قطعۂ تاریخ یہ ہے ؎

سالِ تاریخ ایں کتابِ شریف — کہ بہ سوئے حق انجذاب نماست
کرد الہامِ حق بہ گوشِ دلم — نالۂ عندلیب گلشنِ ماست

۱۱۵۳ھ

خواجہ ناصر نے علوم ظاہری کی باضابطہ تحصیل نہیں کی تھی۔ جس کا اعتراف خود انھوں نے نالۂ عندلیب کے دیباچے میں کیا ہے اور اپنے لیے "اُمّی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ۔

• "چوں ایں فقیر اُمّی، چنداں بخواند و نوشت آشنا نہ بود" یعنی یہ امّی لکھنے پڑھنے سے بہت واقف نہ تھا۔ لیکن اس کتاب کے مطالعے سے ان کے علم و عرفان، نیز معقولات و منقولات ہر دو پر ان کی قدرت اور دستگاہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ خدا نے انھیں یہ ملکہ وہبی طور پر عطا فرمایا تھا۔ اور اپنی مخصوص عنایت سے علوم ظاہری و باطنی کے دروازے ان کے لیے کھول دیے تھے۔

میر تقی میر نے نہایت عقیدت و احترام سے خواجہ ناصر عندلیب سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ایک بار آپ نے (خواجہ ناصر عندلیب نے) اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا تھا کہ "میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد" الحمد للہ کی آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور خدا پرستوں کے قافلہ سالار کے کلمات کا اثر بندہ کے حق میں بہت جلد ظاہر ہوا۔

خواجہ ناصر عندلیب کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی حضرت شاہ میر بن سید لطف اللہ کی صاحب زادی سے اور پھر ان کے انتقال کے بعد دوسری بخشی بیگم عرف منگا بیگم۔ منگا بیگم کے والد کا نام میر سید محمد حسینی قادری بن نواب میر احمد خاں شہید تھا۔ پہلی بیوی کے بطن سے خواجہ ناصر عندلیب کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میر محمد محفوظ محمدی تھا۔ جن کا تاریخ

ولادت "محمد محفوظ" سے نکلتی ہے۔ خواجہ میر درد کے بیان کے مطابق ۱۶ رجب ۱۱۵۴ھ میں ۲۹ برس کی عمر میں محمد محفوظ کا وصال ہوگیا تھا۔ خواجہ میر درد نے علم الکتاب میں جہاں جہاں اپنے حقیقی بھائیوں کا ذکر کیا ہے وہیں محمد محفوظ کے ظاہری و باطنی کمالات کا بھی اعتراف کیا ہے۔ میر محمد محفوظ، خواجہ میر درد سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے بہت بچپن ہی سے تمہیں اپنی نسبتِ خاص سے نوازا ہے۔ اس لیے مجھے میرے باطنی احوال سے تم مطلع کرتے رہا کرو۔ درد نے ان کی جواں مرگی پر نہایت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ عین ایّام جوانی میں اور حضرت قبلۂ کونین کی زندگی ہی میں آپ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

دوسری بیوی یعنی بخشی بیگم عرف منگا بیگم سے خواجہ ناصر کے گھر تین (۳) اولادیں ہوئیں۔ سب سے بڑی اولاد کا نام سید میر محمدی تھا، یہ خواجہ میر درد سے چند سال بڑے تھے۔ دوسری اولاد خواجہ میر متخلص بہ درد تھے۔ تیسرے اور سب سے چھوٹے بھائی خواجہ محمد میر متخلص بہ اثر تھے۔ سب سے بڑے بھائی سید میر محمدی کا انتقال بھی عنفوانِ شباب میں پانچویں (۵) ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ ۱۹ برس کی عمر میں ہوگیا۔

درد اور اثر کے نام تقریباً یکساں ہیں اس فرق کے ساتھ کہ اثر کے نام میں خواجہ اور میر کے درمیان لفظ "محمد" کا اضافہ ہے یعنی درد کا نام تو خواجہ میر اور اثر کا خواجہ محمد میر تھا۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب نے شعبان کی دوسری تاریخ کو عصر کی نماز کے بعد ۱۱۷۲ھ میں چھیاسٹھ (۶۶) برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ جس کی تصدیق آپ کے مزار کے کتبے سے بھی ہوتی ہے۔ ناصر نذیر فراق نے وصال کے بعد بھی آپ کی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اپریل و مئی کی شدید گرمیوں میں جس وقت مزار کے آس پاس کی زمین پر پاؤں رکھنا بھی دشوار ہوتا ہے، مزار مقدس کو ہاتھ لگایئے تو وہ برف کی طرح ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پروفیسر اسے نے مری شمل نے بھی ۱۹۷۵ء میں خواجہ ناصر کے مزار کی زیارت کی۔ ان کا مشاہدہ بھی مصنف میخانۂ درد کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ان کی توجیہ یہ ہے کہ مزار چونکہ ایک چھوٹی پہاڑی پر واقع ہے اس لیے ممکن ہے گرمی کے ایّام میں اس کا ٹھنڈا رہنا اس کے محلِ وقوع کے سبب ہو۔

حالات زندگی

خواجہ ناصر عندلیب کی دوسری شادی، جیسا کہ مذکور ہوا میر سید محمد حسینی قادری کی صاحب زادی، بخشی بیگم عرف منگا بیگم سے ہوئی۔ اس وقت خواجہ ناصر عندلیب کا قیام شاہ جہاں آباد سے باہر "برمدے کے نالے" پر تھا۔ یہ محلہ پہاڑ گنج سے مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس محلہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ خواجہ میر درد کے نانا، میر سید محمد حسینی قادری کا لقب "میر عمدہ" تھا۔ اس محلہ کے قریب ہی ایک نالہ بھی تھا اس طرح رفتہ رفتہ یہ علاقہ "میر عمدہ کا نالہ" کے نام سے مشہور ہوگیا، کثرت استعمال سے پہلے بیرمدہ اور بالآخر برمدہ کا نالہ" ہوگیا۔ اس محلہ میں بیشتر سادات کا قیام تھا۔ اسی محلہ میں خود خواجہ محمد ناصر اور آپ کی اولادوں کی پیدائش ہوئی۔ بعد میں اس محلہ کا نام "برف خانہ" ہوگیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد یہ پورا علاقہ اس قدر ویران ہوگیا کہ پُرانے مکانوں کے نشانات تک باقی نہ رہے۔ خواجہ ناصر کے خسر سید محمد قادری اور ان کی والدہ وغیرہ سبھی اس محلہ میں مدفون ہیں۔ یہ علاقہ اب اس قدر تبدیل ہو چکا ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ناصر نذیر فراق کو جو درد کے اخلاف میں ہیں، ان قبروں کے نشانات تک نہ مل سکے۔ اسی برمدہ کے نالہ میں خواجہ میر درد کے دو بھائیوں اور خاندان کے بعض دیگر حضرات کے مزار بھی ہیں۔

خواجہ میر درد کی پیدائش ۱۹ ذی قعدہ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۷۲۱ء کو اسی آبائی مکان میں ہوئی۔ علم الکتاب میں خواجہ میر درد نے اپنے خاندان کے حالات کا جو ذکر

کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ میر درد کے بعد ان کے ایک چھوٹے بھائی سید میر محمدی بھی تھے جن کا انتقال محض ۱۹ برس کی عمر میں ۵ ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ کو ہوگیا تھا۔ درد کے بیان کے مطابق بچپن ہی سے تقدس اور ان کی برگزیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ درد کے سب سے چھوٹے بھائی خواجہ محمد میر المتخلص بہ اثر تھے۔ یہ درد کو سب سے زیادہ عزیز تھے اور بعد میں یہی ان کے روحانی شاگرد اور جانشین ہوئے۔ انھیں خواجہ میر درد سے خصوصی نسبت اور ارادت تھی۔ بعض شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر اثر کی پیدائش ۱۷۳۴ء کے بعد کسی وقت ہوئی۔

ناصر عندلیب کی پہلی بیوی سے درد کے سب سے بڑے بھائی میر محمد محفوظ پیدا ہوئے تھے۔ جن کا انتقال ۲۹ برس کی عمر میں ۱۶ رجب المرجب ۱۱۵۴ھ کو ہوگیا تھا۔

درد کا نام "خواجہ میر" اُن کے نانا جناب سید العارفین حضرت میر سید محمد حسینی قادری بن نواب میر احمد خاں شہید" نے رکھا تھا۔ تحدیث نعمت کے طور پر درد نے اپنے نجیب الطرفین صحیح النسب سید ہونے پر خدا کا بہت شکر ادا کیا ہے۔ اور علم الکتاب میں اپنے نام خواجہ میر" کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ خواجہ کے لغوی معنیٰ مالک اور سردار کے ہیں اس لیے اکابر سادات، آنحضرت کی ذریات اور اولاد ہونے کے سبب خواجہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقش بند چونکہ گیارہ واسطوں سے بندہ کے جدِ پدری اور مورثِ اعلیٰ ہیں جو صحیح النسب حسینی سید ہیں اس نے ان کے لیے بھی خواجہ کا لقب استعمال کیا جاتا ہے۔ "میر" بھی سادات کا لقب ہے۔ اور "سید" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد اور ان کے فرزندان "میر" کے لقب سے متعارف ہیں۔ میری دادی یعنی خواجہ ناصر عندلیب کی والدہ شیخ عبدالقادر کی اولادوں میں ہیں اس لیے انھیں مناسبتوں سے میرا نام "خواجہ میر" رکھا گیا۔

درد نے اپنے تخلص کی معنویت اور اس کے انتخاب کا نکتہ بیان کرتے ہوئے آہِ سرد میں لکھا ہے کہ بندہ کا تخلص درد ہے اور حضرت قبلہ کونین عندلیب تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ اس مناسبت سے انھوں نے اپنی کتاب کا نام "نالۂ عندلیب" رکھا۔ حضرت عندلیب کے پیر صحبت جناب شاہ سعد اللہ کا تخلص گلشن تھا۔ اور شاہ گلشن کے مرشد

جناب عبدالاحد کا لقب گلؔ اور تخلص "وحدت" تھا، روحانی فیوض کی طرح یہ سبھی تخلص بھی باہم ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ چنانچہ درد کی مناسبت "نالہ" اور "عندلیب" سے ظاہر ہے۔ عندلیب کو گلشن سے اور گلشن کو گل سے جو علاقہ ہے وہ محتاج بیان نہیں! درد نے ترتیب وار یہ سبھی تخلص اپنی ایک غزل کے مقطع میں نہایت لطف کے ساتھ موزوں کیے ہیں ؎

دردا زبس عندلیب گلشنِ وحدت شدہ ست
جلوۂ روئے گلے اوراغزل خواں می کند

(آہ نمبر ۱۵۵)

تخلص رکھنے میں اپنے مُرشد کے تخلص کی رعایت اور اسے برکت اور باطنی فیض کا وسیلہ تصور کرنے کا یہ سلسلہ بعد تک جاری رہا۔ چنانچہ میر اثرؔ نے جو خواجہ میر درد کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے تھے درد کی مناسبت سے اپنا تخلص اثرؔ رکھا اور درد کے بیٹے نے "درد" اور "اثر" کی رعایت سے تخلص "الم" رکھا۔

درد کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ اوائل عمری سے ہی ان کا رجحان مذہب کی طرف تھا اور تصوف سے انھیں طبعی مناسبت تھی۔ سیر و سلوک کے وہ مسائل جو حیات و کائنات کی حقیقت پر سوالیہ نشان قائم کرتے ہیں اور ان حوالوں سے سالک پر عرفان ذات کے دروازے کھولتے ہیں، درد کے لیے زیادہ اجنبی نہ تھے۔ کیونکہ سن شعور کو پہنچنے سے بہت پہلے، اپنے والد خواجہ ناصر عندلیب کے روحانی فیض سے، تصوف کی بہت سی منزلیں درد طے کر چکے تھے۔ محض تین چار برس کی عمر میں درد کی کیفیت اور ان کے ذہنی مسائل کسی بھی شخص کو حیرت میں ڈال سکتے ہیں۔ اوائل عمری کی ان کیفیات کو درد نے اپنے رسالہ "شمع محفل" میں خود بیان کیا ہے۔ اس امر سے قطع نظر کہ درد کا یہ بیان خود ان کی آخری دلوں کی تحریر ہے۔ یہ واقعات اپنے آپ میں حیرت انگیز ہیں۔ آخری دلوں کی تحریر ہونے کے سبب، اوائل عمری کے تجربات کا یہ اظہار، بیان کی پختگی اور وسائل اظہار پر قدرت کا بھی آئینہ دار ہے۔ درد نے لکھا ہے کہ "بچپن میں اور عمر کی اس منزل میں جب میں تھوڑا بہت بولنا سیکھ رہا تھا، مجھے عجیب معاملات اور واقعات پیش آتے تھے۔.. بات منبقت کو پار کرنے کے شوق میں میں ہمیشہ بے چین و بے قرار رہتا تھا۔

اور اس کیفیت میں بہت سی راتیں بے خوابی اور گریہ و زاری میں گزار دیتا تھا۔ میری اس کیفیت سے گھر کے ملازمین اور دائیاں وغیرہ سخت پریشان ہوتی تھیں۔ میرے حال تباہ کو دیکھ کر ان کے ہوش و حواس جاتے رہتے تھے اور وہ طرح طرح سے مجھے بہلانے اور چپ کرانے کی صورتیں نکالتیں۔ مجھ سے میری تکلیف کا سبب دریافت کرتیں۔ بندہ ایک حرف بھی کسی سے کچھ نہ کہتا، اور نہ ہی کسی کا کوئی جواب دیتا۔ یہاں تک کہ میری والدہ اور دادی اور گھر کی دوسری بڑی بوڑھیاں اکٹھا ہو جاتیں اور مجھے تسلی دینے کے ہزار جتن کرتیں۔ میری اس کیفیت سے انھیں یہ گمان ہوتا کہ اس بچے پر شاید کسی چیز کا سایہ یا آسیب وغیرہ کا کوئی اثر ہو گیا ہے۔ یا خواب میں ڈر گیا ہے۔ دعائیں اور چار قُل" پڑھ کر مجھ پر دم کیا جاتا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ دیکھ کر والد محترم قبلۂ کونین کو خبر دی جاتی، ان کے جمالِ باکمال کو دیکھتے ہی دیوانہ وار میں ان کی طرف دوڑ پڑتا۔ اور بے اختیار ہو کر زار زار رونے لگتا، اور ان سے کہتا کہ میرا سینہ تنگ ہوا جاتا ہے۔ اور ناچار مجھے رونا آتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حقیقت سے آپ مجھے آگاہ کریں۔ تاکہ میرے دل کو کچھ تسلی ہو۔ میں آگاہ نہیں کہ میں کون ہوں؟ مجھے کیوں پیدا کیا گیا؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میرا خالق کون ہے؟ کائنات کی تخلیق کا راز کیا ہے؟ غرض میری ان باتوں کو سن کر قبلہ والد صاحب، جو پیشوائے خاص و عام تھے، خصوصی فضل و عنایت فرماتے۔ اور میری ہدایت کرتے۔ میری روحانی تربیت فرماتے، اپنی تعلیمات سے مجھ پر ہر روز سلوک کے مختلف مقامات روشن کرتے۔ آج بھی اسی جناب ہدایت مآب کے فیض سے کسی بے قرار موج کی طرح، معرفت کا ایک بحر بیکراں میری آغوش میں موجزن ہے۔" (نور نمبر ۲۲)

اپنے والد سے درد کا یہ روحانی تعلق روز بروز بڑھتا گیا۔ معرفت کے اسرار سے خواجہ ناصر عندلیب نے درد کو نہ صرف آگاہ کیا بلکہ سلوک کے جملہ مقامات بھی درد نے انھیں کی تربیت اور نگرانی میں طے کیے۔ درد کا اپنے والد اور روحانی مُرشد سے یہ تعلق ان کے اخیر وقت تک قائم رہا۔ بلکہ ان کے وصال کے بعد بھی عقیدت اور ارادت کا یہ رشتہ اُسی طرح مستحکم رہا۔

درد نے علوم رسمیہ کی تحصیل میں زیادہ وقت صرف نہیں کیا، چنانچہ باقاعدہ تلمذ کی نسبت انھیں کم لوگوں سے تھی۔ خان آرزو کے مطابق، درس و تدریس کا سلسلہ بس

اس قدر ہے کہ چند مہینے مفتی دولت مرحوم سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ لیکن درد کی تصانیف سے فارسی اور عربی زبانوں پر عبور کے علاوہ، عقائد، معقولات اصولِ فقہ، تصوف اور دیگر علوم شرعیہ پر ان کی دستگاہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ درد کو بھی اپنے والد کی طرح اکتسابی علوم کے بجائے وہبی علم کی دولت میسّر تھی اور ان کی تمام تر کوشش، معرفتِ ذات، اخلاص اور نسبت مع اللہ کے حصول کی کی خاطر تھی۔ درسی علوم سے بے نیازی کی یہ روایت درد نے ورثہ میں پائی تھی۔ متداول رسمی علوم کے بجائے وہبی علم کے حصول کو درد نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا جس کے نور سے حقیقتیں منکشف ہوتی اور حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب بھی رسمی علوم سے چنداں واقف نہ تھے۔ یہاں تک کہ نالۂ عندلیب کے دیباچہ میں انھوں نے اپنے "اُمّی" ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ فقیر "اُمّی"، لکھنے پڑھنے سے چنداں واقف نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود نالۂ عندلیب کا اسلوب اور زبان و بیان کے طریقوں پر مصنف کی قدرت قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اخلاقیات تصوّف، معقولات، علوم شرعیۂ اور عقائد جیسے موضوعات کو خواجہ ناصر نے جس شرح و بسط اور اعتماد سے بیان کیا ہے وہ درسی اور مکتبی علم کی ضرورت سے ان کی بے نیازی کا جواز فراہم کرتا ہے۔

اپنے والد کے کہنے پر درد نے وسط جوانی میں علوم رسمیہ کی تحصیل کی، اور عقائد، معقولات، اصول تصوف کے علاوہ بھی دیگر علوم بہ قدر ضرورت پڑھے۔ لیکن یہ علوم انھوں نے کس سے حاصل کیے اور کس کے شاگرد ہوئے؟ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ درد نے یہ بات نہایت وضاحت سے لکھا ہے کہ یہ ظاہری علوم بھی انھوں نے خوب سمجھ کر حاصل کیے۔ کسی مطلب یا مضمون کو جب تک خوب اچھی طرح ذہن نشین نہ کرلیا اور اس کے جملہ امکانات منکشف نہ ہوئے۔ آگے نہیں بڑھے۔ علوم ظاہری کی راہ بھی انھوں نے خوب دیکھ سمجھ کر طے کی تھیں۔ لیکن پھر جلد ہی معرفت کی وہ منزل آگئی جب ماسوی اللہ کے تمام نقش دل سے مٹ گئے، اور تمام شکوک و شبہات رفع ہوگئے۔

(درد نمبر ۲۱۶)

واقعہ یہ ہے کہ درد کی زندگی پر ان کے والد کے روحانی فیض اور نالۂ عندلیب کا نقش کچھ اتنا گہرا تھا کہ اس کے علاوہ دیگر تمام تصانیف ان کی نظر میں لائق اعتنا نہ رہیں

یہاں تک کہ تصوف کی شہرۂ آفاق تصانیف، عوارف المعارف، خصوص الحکم اور فتوحات مکیہ، بھی درد کے خیال میں نالۂ عندلیب کے پایہ کو نہیں پہنچیں۔ اپنے رسالہ دردِ دل میں انھوں نے لکھا ہے کہ معرفت اور حقیقت کی راہ میں میری جو کچھ بھی دستگاہ ہے ان کتابوں کے سبب نہیں ہے بلکہ مجھ جاہل کے دل پر حقائق و دقائق کے جو بھی باب کھلے، وہ حضرت قبلۂ کونین کی تصنیف، نالۂ عندلیب کے فیض سے کھلے۔ میرا تمام حال و قال نالۂ عندلیب کے مطابق ہے۔ میرا دل سوزِ عشق سے گداز ہوچکا ہے ؎

خوانم نہ عوارف نہ فتوحات فصوص ۔۔۔ شُد نالۂ عندلیب وردم مخصوص
حق ساخت مُرا محمدی خالص ۔۔۔ در من نہ بُود چیزے دگر غیر خلوص

(درد نمبر ۲۱۶)

(ترجمہ:۔ میں عوارف المعارف، فتوحات مکیہ اور خصوص الحکم وغیرہ نہیں پڑھتا، نالۂ عندلیب ہی میرا مخصوص ورد ہے خدا نے مجھے محمدی خالص بنایا ہے۔ مجھ میں خلوص کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی)۔

درد نے بہ تکرار یہ بات کہی ہے کہ نالۂ عندلیب کے علاوہ سیر و سلوک کی دوسری تصانیف یا ظاہری علوم کی دیگر نصابی کتابوں سے انھیں مناسبت نہیں اور نہ ہی ان کے پڑھنے پڑھانے کی چنداں ضرورت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سچے عاشقوں کے لیے نالۂ عندلیب کا درد کافی ہے۔ اس کے سوا دوسرے افسانے بے معنی ہیں۔ یہ تصنیف ایسے نکات پر مشتمل ہے اور ایسے معارفِ تازہ کا مجموعہ ہے جو تمام کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہے ؎

درد وردِ خویش گرداں قصۂ معشوق خویش
خواندنِ افسانۂ یوسف زلیخا تا بہ کے

(ترجمہ:۔ اے درد! اپنے معشوق کے قصّے کو اپنا ورد بنائے، یوسف اور زلیخا کے افسانے کب تک پڑھتا رہے گا۔)

درد قرآن کے حافظ تو نہ تھے لیکن خدا نے خصوصی فضل سے اپنی آیات ان کے دل پر روشن کردی تھیں۔

فطری رجحان کے علاوہ والد کی مخصوص صوفیانہ تربیت کا نتیجہ تھا کہ درد نے

نصابی علوم کی تکمیل اور درسی کتابوں کے باقاعدہ پڑھنے پڑھانے کو ہمیشہ حقیر سمجھا، علم کا وہ مخصوص تصور جس کی طرف درد نے باربار اپنی تحریروں میں اشارہ کیا ہے، فکر انگیز ہے۔ علم جو اپنی ماہیت میں کاشفِ اسرار ہے، اہلِ ظاہر کے لیے ایک دیوار بلکہ حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ ظاہر پرست علما کی کیفیت یہ ہے کہ ان کا علم جزیات کا علم ہوتا ہے۔ جو بھی کتابیں، رسالے یہ پڑھتے ہیں یا جتنا بھی علم یہ حاصل کرتے ہیں اس سے محض ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جبکہ اصل علم کلیات کا علم ہے۔ اور جو عبارت ہے "قوت ادراک" سے۔ علمائے ظاہر صاحبانِ عقل قاصر ہیں۔ چنانچہ جس قدر معلومات اعتباریہ کا نقش بڑھتا جاتا ہے، ان کا علم گھٹتا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ کثرتِ معلومات کی بنیاد پر، خود کو یہ "اعلم الناس" تصور کرتے ہیں۔ کم حوصلگی کے سبب ان میں غرور اور نخوت پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا ذاتی جہل، ان کے جزئی علم سے مل کر ایک مرکب صورت اختیار کر لیتا ہے۔

جب کہ عارفوں اور محققوں کا علم، کلیات کا علم ہوتا ہے۔ اور استعداد کی دولت انھیں وسیع مشرب لوگوں کا حصّہ ہوتی ہے۔ جزیات اور معلومات کے جس قدر بھی قطرات ان کے دل پر تراوش کرتے ہیں۔ ان کی محیط علم کی بے کرانی کے سامنے بے اعتبار ہیں۔ ان کا دل کثرتِ معلومات کی کسی منزل میں تنگ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اس بلند مرتبے اور بے نہایت حوصلے کے باوجود اپنے قصور کا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ اور خاکساری و فروتنی کو اپنا شیوہ بناتے ہیں (علم الکتاب صہ ۹۳)

ایک دوسری جگہ درد نے ان حضرات کو جو جزیات کے علم کو کافی سمجھتے ہیں اور محض امورِ محسوسہ کے ادراک پر اکتفا کرتے ہیں، جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔ جو حقیقی علم کی لذّت سے محروم ہیں۔ وہ ایسے جانوروں کی مانند ہیں جو عالم ناسوت کی چراگاہ میں فقط محسوسات کی گھاس اور دانوں پر گزارا کرتے ہیں۔ جزیات کے خس و خاشاک ان کی نگاہوں کا مقدّر ہیں۔ امورِ معقولہ اور کلیات کا گل رنگیں ان کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ایسے لوگوں پر عالمِ غیب کے عجائبات کبھی منکشف نہیں ہوتے۔ اور حقیقی علم کی دولت انھیں کبھی میسّر نہیں آتی۔

(نور نمبر ۴۳)

غرض وہ علم جو رسمی تعلیم و تعلّم سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ "دا[illegible]" ظاہرہ سے متعلق ہے اور اختیاری ہے۔ ان علمائے ظاہری کی تحریریں اور کتابیں درحقیقت تالیفات ہیں جب کہ اہلِ باطن کا علم حقیقی ہے۔ ان کے دل پر مبدا ر فیاض سے معانی کا القا ہوتا ہے۔ یہ علم غیر اختیاری اور وہبی ہے۔ درحقیقت ایسے ہی حضرات کی تحریریں اور کتابیں "تصنیف" کہے جانے کی سزاوار ہیں۔ اہلِ ظاہر کی طرح ان کا کلام محض ایک نہج پر نہیں ہوتا۔ بلکہ جب اور جیسے جنابِ الٰہی کی جانب سے ان کے دل پر معانی کا القا ہوتا ہے وہ اسے بیان فرماتے ہیں۔

دراصل یہی وہ معیار تھا جس نے درد کو درسیات کی محدود دنیا سے بے نیاز کر دیا۔ اور انھوں نے پوری توجّہ علم کی اُس لامحدود کائنات سے رشتہ استوار کرنے میں صرف کی جو اہلِ باطن کا نصیب ہے۔

تحصیل علم کے اسی مرحلہ میں وہ واقعہ بھی پیش آیا۔ جو طریقۂ محمدیہ" کا نقطۂ آغاز ہے، اور جس کی نشر و اشاعت کو درد نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا علم الکتاب میں اس واقعہ کی تفصیل "کشف ظہور طریقۂ محمدیہ، علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ" کے عنوان سے درد نے خود بیان فرمائی ہے۔ جس کی تفصیلات خواجہ ناصر عندلیب کے حالات کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں کہ سات رات اور سات دن خواجہ ناصر عندلیب نے علائق دنیا سے لاتعلق ہو کر، خود کو ایک حجرے میں محصور کر لیا، یہاں تک کہ کھانے پینے کے ناگزیر بشری تقاضوں سے بھی آزاد ہو گئے۔ اور اس عالم ناسوت کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ بالآخر آٹھویں روز اس حجرے میں انھیں حضرت امام حسن کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضرت امام حسن نے خواجہ ناصر کو "نسبت خاص" کی سے نوازا۔ اور طریقۂ محمدیہ کا آغاز فرمایا۔ اس پورے واقعے کے دوران خواجہ میر درد کی کیفیت، ان کے معمولات اور اپنے والد سے ان کی ارادت اور محبت توجہ طلب ہے۔ کہ جب تک خواجہ ناصر کے حجرے کا دروازہ بند رہا، درد تنہا حجرے کی چوکھٹ پر پڑے رہتے اور دہلیز پر سر رکھ کر زار زار روتے۔ اس دوران درد کو بھی کھانے پینے اور سونے کا کچھ ہوش نہ رہا۔ ایک بار والدہ کے بہت اصرار پر تعمیلِ حکم کے سبب چند لقمے کھائے۔ اور پھر حجرے کے دروازے پر جا حاضر ہوئے۔ دیگر عزیزہ اور خدام کا معاملہ

یہ تھا کہ وہ نماز کے اوقات میں آتے اور نماز کے بعد پھر اپنے گھروں کو واپس جاتے۔ لیکن درد چوکھٹ سے نہ ہٹتے۔ ان کی والدہ کو درد کے اس عمل سے سخت تشویش وہ آدمیوں کو اس بات پر مامور کر دیتیں کہ درد کے پاس ہی موجود رہیں لیکن ں شخص کو قریب نہ آنے دیتے۔ سونے کے لیے بستر اور کھانے پینے کی جو چیزیں بھی و ماتے درد انھیں استعمال نہ کرتے۔ آٹھویں روز جب ان کے والد عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہوئے اور باہر آئے تو درد کو دروازہ پر ہی پڑا پایا۔ یہ دیکھ کر ان کی بخشش کا دریا جوش میں آگیا، اپنے دست مبارک سے انھوں نے درد کو زمین سے اٹھایا۔ سینے سے لگایا۔ اور پیشانی پر بوسہ دے کر بشارت کے ایسے کلمات درد کے حق میں کہے کہ ان کے اعادہ سے درد کی زبان قاصر ہے۔ انھوں نے مزید یہ ارشاد فرمایا کہ " اے محمدی قلق و اضطراب نہ کر کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہم محمدیوں کو اپنی عنایت خاص سے نوازا ہے۔ درد پہلے شخص تھے جنھوں نے اس طریقہ پر اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اول احمدیین کے لقب سے مشرف ہوئے۔

طریقہ محمدیہ کا آغاز اور والد کے ہاتھ پر بیعت ہونا درد کی زندگی کا اہم واقعہ ہے جس کے اثرات ان کی تمام تحریروں پر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ درد پر اس طریقہ کی تعلیمات کا نقش اتنا گہرا پڑا کہ ان کی تمام زندگی اس طریقہ محمدیہ کا عملی نمونہ بن گئی۔ بلکہ درد تو اس مشرب کی پیروی کو اپنی نجات کا واحد وسیلہ تصور کرتے تھے۔ اس واقعہ کے وقت درد کی عمر ۱۳-۱۴ برس تھی اس واقعہ کے چند ہی دنوں بعد پندرہ برس کی عمر میں درد کی پہلی تصنیف "اسرار الصلوٰۃ" رمضان کے اخیر عشرہ میں حالت اعتکاف میں لکھی گئی جس سے درد کے صوفیانہ مزاج اور مذہبی رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔

خواجہ میر درد کی شادی ان کے والد نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں کر دی۔ درد کی اہلیہ کی عمر اُس وقت ۱۲ برس تھی۔ ان کی بیوی کون تھیں اور ان کا کیا نام تھا اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ اس وقت تک درد کا قیام برمدہ کے نالہ پر تھا۔ لیکن مارچ ۱۷۳۹ء میں جب دہلی پر نادرشاہ دُرّانی کا حملہ ہوا اور تمام شہر میں اس کی فوجوں کی غارت گری اور قتل عام سے دہشت پھیل گئی۔ تو اورنگ زیب کی بہو مہر پرور بیگم نے اپنا ایک خاص آدمی خواجہ میر درد کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ وہ مع اہل و عیال شاہ جہاں آباد

میں تشریف لے چلیں ان کے اور گھر کی بیگمات کے لیے دو محل قلعہ میں خالی ہیں۔ کیونکہ ایرانی فوجوں کی غارت گری اور کشت و خون کا بازار گرم ہے اور برمدہ کا نالہ شاہ جہاں آباد کی شہر پناہ سے باہر ہے۔ مہر پرور بیگم کو اندیشہ اس امر کا تھا کہ شہر پناہ سے باہر کے علاقے غارت گری کی زد پر نسبتاً زیادہ ہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خواجہ ناصر عندلیب اور میر درد کو مع اہل و عیال قلعہ میں تشریف لے آنا چاہیے۔ مہر پرور بیگم کو ان حضرات سے خاصی عقیدت تھی۔ لیکن انھوں نے مہر پرور بیگم کی یہ پیش کش منظور نہ کی اور محض خدا کے بھروسے، اُس پُر آشوب وقت میں بھی فصیل شہر سے باہر برمدہ کے نالہ (برف خانہ کا علاقہ) میں قیام کیا۔ خدا کا کرنا کہ یہ موج خوں گزر گئی۔ اور یہ حضرات مع اہل و عیال ہر مصیبت سے محفوظ رہے۔ لیکن دہلی کی بد نظمی اور انتشار کی وجہ سے شہر پناہ سے باہر کے علاقے کہیں زیادہ غیر محفوظ تھے۔ برمدہ کا نالہ چونکہ کسی قدر ویران اور غیر آباد جگہ واقع تھا اس لیے مہر پرور بیگم نے نادرشاہ درّانی کے حملے کے بعد بھی ان حضرات سے اصرار کیا کہ وہ شاہجہان آباد منتقل ہو جائیں۔ شہر کی حالت اب ایسی نہیں کہ ایسی جگہوں پر رہنے کا خطرہ مول لیا جا سکے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب بادشاہ امور سلطنت سے بے پرواہ ہو کر عیش و نشاط میں مصروف ہو۔ شہر میں امن و امان کا امکان کم تر ہوتا جا رہا ہے مہر پرور بیگم کے پیہم اصرار پر آپ نے دہلی کے اندر رہنے کی پیش کش قبول فرمائی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ محل کے اندر ہرگز قیام نہ کریں گے بلکہ درویشوں کے حسب حال سکونت کی کوئی صورت نکل سکے تو بہتر ہے۔ مہر پرور بیگم نے خواجہ میر درد کی خواہش کے مطابق چیلوں کے کوچے میں زمین کا ایک قطعہ لے کر چھوٹے بڑے نو مکانات تیار کروائے۔ اور اس کے علاوہ ایک بہت بڑی بارہ دری مع صحن اور مسجد بنوائی۔ خواجہ میر درد مع والد اور دیگر اہل و عیال برمدہ کے نالے سے، چیلوں کے کوچے میں منتقل ہو گئے۔ آٹھ مکانوں میں آپ کے اہل و عیال اور اعزہ کا قیام تھا۔ اور نویں حویلی میں خود درد تنہا رہتے تھے۔ جو حجرہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ جب برمدہ کے نالہ سے چیلوں کے کوچے میں تشریف لائے تو آپ نے یہ رباعی کہی ہے

اے اہل زمانہ درد ناکم کردند   بے ہیچ خبث، عبث ہلاکم کردند

از چار طرف غبار دلہا چنداں   برخاست کہ زندہ زیر خاکم کردند

(ترجمہ :- اہل زمانہ نے مجھے دردناک کر دیا اور بلا سبب مجھے ہلاک کیا۔ چاروں طرف سے دلوں کا اس قدر غبار اُٹھا کہ جس نے مجھے زندہ دفن کر دیا)۔

اس طرح ۱۷۳۸ء تک درد کا قیام اپنے والد کے ساتھ بر مدہ کے نالے پر تھا لیکن ۱۷۳۹ء میں آپ مع اہل و عیال چیلوں کے کوچے میں آ گئے۔ اور اخیر دم تک وہیں مقیم رہے۔ درد کی یہ بارہ دری، درد کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کافی مشہور تھی۔ یہاں عرس کے ہنگامے اور شاعری کی محفلیں نہایت دھوم دھام سے ہوتیں۔ چیلوں کے کوچے میں درد کا یہ مکان، اور بارہ دری عرصہ تک درد کے ورثا کے قبضہ میں رہی۔ لیکن بالآخر تقسیم کے بعد زمانے کے ہاتھوں اس مکان کے نشانات تک باقی نہ رہے۔

فروری ۱۹۴۰ء میں خواجہ محمد زبیر کا انتقال ہوا۔ خواجہ زبیر، ناصر عندلیب کے پیر اور ان کے روحانی مرشد تھے۔ ان کے انتقال کا خواجہ ناصر پر بہت اثر ہوا۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے خود درد کے افکار اور ان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ دراصل خواجہ زبیر کے انتقال کا حادثہ ہی نالۂ عندلیب کی تصنیف کا محرک ہوا۔ خواجہ ناصر کی توجہات درد کی طرف پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں۔ نالۂ عندلیب کی وجہ تصنیف اور اس کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں کہ یہ قصہ بنیادی طور پر خواجہ ناصر نے تعزیت کے لیے آنے والوں کی تالیف قلب کی خاطر ہندوستانی زبان میں سنایا تھا۔ لیکن سامعین پر اس کے غیر معمولی اثر کو دیکھ کر اور لوگوں کی فرمائش کے سبب، فارسی زبان میں تین دن رات میں لکھوا کر، نالۂ عندلیب کے نام سے اس قصہ کو تحریری شکل دی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نالۂ عندلیب کے لکھنے میں خواجہ میر درد کا بڑا حصہ تھا۔ ان کے والد قصہ بولتے جاتے تھے، اور میر درد اُسے لکھتے جاتے۔ ایسا بھی ہوا کہ اگر میر درد اتفاقاً موجود نہ ہوئے تو خواجہ ناصر کے ایک دوسرے مُرید "بیدار" نے قلم بند کرنے کی یہ خدمت انجام دی۔ اور بالآخر یہ کتاب ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۱ء میں مکمل ہوئی۔ گل و بلبل کا یہ تمثیلی قصہ اور حُسن و عشق کی یہ داستان، موضوعات کے تنوع اور اسلوب بیان کی دلکشی کے سبب، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ سلوک و معرفت کے مختلف مقامات کی کیفیت،

ناصر عندلیب نے جس سلیقہ سے بیان کی ہے، بایدوشاید! درد کے نظام افکار کی ترتیب اور ان کی ذہنی تربیت میں اس تصنیف کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ درد نے تو اپنے تمام علمی کارناموں، اور روحانی اکتسابات کو اسی ایک کتاب کا فیض قرار دیا ہے۔ اور اپنی تحریروں میں بار بار اس حقیقت کا اعتراف و اظہار کیا ہے۔

اس وقت تک خواجہ میر درد کے صبر و قناعت اور ان کی درویشی کا چرچا شروع ہو چکا تھا۔ درد کے مزاج میں ایک خاص نوع کی محمود عزّتِ نفس، اور دنیا بیزاری نے انھیں اپنے عہد میں خاصا مقبول بنا دیا تھا۔ آپ کی سیادت، پاکیزگی اور دیگر اوصاف حمیدہ کو سُن کر محمد شاہ بادشاہ نے آپ کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اور بارہا چاہا کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں۔ درد کو بھلا یہ کب گوارا تھا کہ بادشاہ سے ملنے قلعہ میں جاتے، بالآخر ایک روز بغیر اطلاع کے محمد شاہ خود ہی آپ کی مجلس میں بارہ دری حاضر ہو گیا۔ اس کی آمد پر درد نے کسی خصوصی سلوک کا نہ اہتمام کیا، نہ اظہار، بس اخلاق و خندہ پیشانی سے ملے، جیسا کہ دوسروں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ان کا عام طریقہ تھا۔ بادشاہ نے مجلس میں ان کی باتیں سُنیں، اور مل کر کافی متاثر ہوا۔ چلتے وقت ازراہِ انکسار، اس نے یہ بھی کہا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اسے اپنے لیے باعث سعادت سمجھونگا۔ درد کا جواب یہ تھا کہ آپ کے لائق خدمت تو بس یہی ہے کہ آپ غریب خانہ پر آئندہ تشریف نہ لائیں۔ آپ کی آمد سے بندہ کو خود پسندی اور عجب کا احتمال ہے۔ محمد شاہ خاموش رہا۔ اور بارہ دری سے نکل کر اس نے کہا یہ واقعی آلِ رسول ہیں۔

اسی طرح ایک بار درد کی مجلس میں شاہ عالم بادشاہ بغیر اطلاع حاضر ہوئے۔ درد کے یہاں مجلس میں بیٹھنے کے مخصوص آداب تھے، جملہ حاضرین نہایت عقیدت و احترام سے دوزانو بیٹھتے تھے۔ خود درد بھی اس کا خیال رکھتے۔ اور آداب مجلس کی رعایت سے خود بھی دوزانو ہی بیٹھتے تھے۔ درد کے مزاج کا تحمّل، وقار اور توازن، یوں بھی حاضرین کو کسی قسم کی بے ادبی کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اتفاقاً اس روز شاہ عالم کے پاؤں میں درد تھا۔ انھوں نے ذرا پاؤں پھیلا دیا۔ درد کے طبع نازک پر یہ بات گراں گزری، انھوں نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور کہا کہ یہ بات اس فقیر کے آداب مجلس کے خلاف ہے۔

بادشاہ شرمندہ ہوا۔ اور اُس نے معذرت چاہی۔ کہ میرے پاؤں میں تکلیف تھی اس لیے ایسا ہوا۔ درد نے کہا کہ اگر پاؤں میں تکلیف تھی تو پھر آنے کی تکلیف کرنا ہی کیا ضروری تھا۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ درد کے مزاج کی بے نیازی اور استغنا نے کبھی یہ بات گوارا نہ کی کہ دوسرے اربابِ دولت و منصب تو کجا، خود بادشاہِ وقت سے بھی رسم وراہ کو پسند کرتے۔

میر درد کی اس درویشانہ وضع اور صوفیانہ مزاج کی تعمیر میں بہ ظاہر جو عوامل فرما تھے ان میں سب سے زیادہ مستحکم عنصر خود خواجہ ناصر کی تعلیمات، اور ان کے روحانی ...ن تھے۔ نالۂ عندلیب درد کے نزدیک ایسی جامع تصنیف تھی جو معرفت کے تمام ...دوں کو کھول سکتی تھی اور راہِ سلوک کے تمام مشکلات کو آسان کر سکتی تھی۔ شاہ عداللہ گلشن اور شاہ زبیر سے بھی درد نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن "آہِ ...رد" میں انھوں نے اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ وہ ان دونوں حضرات سے محض قبلۂ ...ین (خواجہ ناصر عندلیب) کے سبب محبت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"میں شوریدہ حال اپنے قبلۂ کونین کے سبب حضرت محمد زبیر اور شاہ گلشن کا ...یدہ ہوں"۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے ... ان کی بے پایاں مہربانیوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود محض اپنے حضرت کی درگاہ ...م ہوں۔ اے گلشنِ ایجاد کے باغباں، میں شاہ گلشن کا خیر خواہ اس سبب سے ہوں ...ہ عندلیب کا دلدادہ ہوں۔ ہر جگہ اور ہر حال میں میرا نغمہ بس یہ ہے کہ ؎

باغباں ہر جا کہ باشم خیر خواہِ گلشنم من فدائے عندلیب و خاکِ راہِ گلشنم

(آہ نمبر ۲۶۵)

(ترجمہ:۔ باغباں! جہاں کہیں بھی میں ہوں گلشن کا خیر خواہ ہوں۔ میں عندلیب ...فدا ہوں اور حضرت گلشن کے راستے کی خاک ہوں)۔

لیکن شاہ زبیر کے مقابلہ میں، سعداللہ گلشن سے درد کو نسبتاً زیادہ مناسبت تھی۔ شاہ گلشن کا شعری ذوق اور موسیقی کی طرف ان کا رجحان، درد کے مزاج سے ...یادہ ہم آہنگ تھا۔ چنانچہ درد کے فارسی دیوان میں مذکورہ بالا مطلع کے ساتھ "گلشنم"

کی ردیف میں پوری غزل موجود ہے۔ جس کا مقطع ہے ؎

کے شود طاؤس وار از من بہارِ من جُدا درد ہر جا می روم اندر پناہِ گلشنم

(ترجمہ:۔ طاؤس کی مانند میری بہار بھی مجھ سے بھلا کب جُدا ہو سکتی ہے۔ اے درد! میں جہاں کہیں بھی جاتا ہوں گلشن کی پناہ میں ہوں)۔

شاہ سعداللہ گلشن اپنے عہد میں شعر و شاعری کا مرکز تھے۔ مذاقِ سلیم اور غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتوں کے سبب، اس زمانے کے تمام شعرا شاہ گلشن سے کسبِ فیض کرتے اور ان سے تلمذ کو وجہِ سعادت سمجھتے تھے۔ ولی دکنی نے انھیں کی ترغیب سے اردو میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ شاہ گلشن کے وصال کے وقت درد کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی کیونکہ شاہ گلشن کا انتقال ۲۱ رجمادی الثانی ۱۱۴۰ھ مطابق ۳ رفروری ۱۷۲۸ء کو خواجہ ناصر کے گھر پر ہی ہوا۔ اس وقت درد کی عمر ساٹھ برس تھی۔ لیکن قیاس ہے کہ درد نے شاہ گلشن کے انتقال کے بعد ان کی تحریروں اور ان کے اشعار سے بہت کچھ سیکھا۔

خواجہ میر درد کے نزدیک "سودائے عشق" اور "دل کا گداز" وہ سرمایہ ہے جو انسان کو دنیوی علائق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ بلکہ دنیوی جاہ و جلال کی بے حقیقتی کو آشکارا کر دیتا ہے۔ درد نے لکھا ہے کہ عشقِ حقیقی، عاشق کو ماسوی اللہ سے بے نیاز کرتا اور فراغتِ کلّی کی سلطنت کا حکمراں بنا دیتا ہے۔ دنیا کے تمام رطب و یابس اس کے نزدیک پایۂ اعتبار سے گر جاتے ہیں۔ کیونکہ "چشمِ تر" اور "لبِ خشک" کی عاشقانہ کیفیت ان حضرات کو تمام "بحر و بحر" کا بادشاہ بنا دیتی ہے ؎

درد سلطانِ بحر و بر گشتم کہ لبِ خشک و چشمِ تر دارم

لبِ خشک و چشمِ تر کی اس لذت سے درد آشنا تھے۔ اب ان کے لیے امیر و زیر کی درگاہیں بھلا کیونکر لائقِ اعتنا ہوتیں۔ ایک دوسری جگہ اپنی اس خو کے بے نیازی کو ایک خاص مسکنت و وقار سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ کوئے مسکنت کے خاکسار اور گنجِ فقر و فراغت کے گوشہ نشیں، ہوا و ہوس کے بلند پروازوں اور صاحب دست رس مسند نشینوں کو ہرگز ہرگز خاطر میں نہیں لاتے۔ بلکہ ان بہ ظاہر اونچی پرواز کرنے والوں کو درحقیقت حرص و طمع کے دام کا گرفتار، اور تحصیلِ مال کے قفس کا اسیر جانتے ہیں اور ان ظاہری ہوشیاروں کو دنیائے دنی کا دیوانہ سمجھتے ہیں۔ عالی ہمت

حقیقت شناس اور شریف النفس وہ لوگ ہیں جو دنیائے فانی کے جاہ وحشم اور اس کی لذتوں کو نظرِ اعتبار میں جگہ نہیں دیتے۔ عالی ہمت اور شریف النفس شخص وہ ہے جو اربابِ دنیا کی غلامی کے اس پٹے کو اپنی بے طمع گردن سے اُتار پھینکتا ہے۔ اور اس کے بجائے خدا و رسول اور مرشد کی محبت کے مستحکم رشتے کو دل میں جگہ دیتا ہے۔"

(نالہ نمبر ۱۵۵)

روحانی ترقیات کی طرح درد کے شعری ذوق کی تربیت میں بھی خواجہ ناصر عندلیب کا بڑا ہاتھ تھا۔ خواجہ ناصر کو شاعری اور موسیقی سے خاصا لگاؤ تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ خواجہ زبیر سے مُرید ہونے کے باوجود، شاہ سعداللہ گلشن سے انھیں انتہائی محبت تھی۔ طبیعت کی اس ہم آہنگی کی وجہ سے شاہ گلشن بھی انھیں بہت عزیز رکھتے یہاں تک کہ شاہ گلشن کا انتقال بھی خواجہ ناصر عندلیب کے گھر ہوا۔ اس طرح درد کی موزونیِ طبع اور شعر گوئی کی صلاحیت کو فروغ کا موقع ملا۔ پھر اسی زمانہ میں خان آرزو جیسا باکمال اور ذی علم دہلی میں موجود تھا۔ جس نے پورے ایک عہد کی ادبی تربیت کی۔ معاصر تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق خواجہ میر درد بھی خان آرزو کے گھر جاتے تھے اور ان کے یہاں ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو منعقد ہونے والے "مجلس ریختہ گویانِ ہندی" میں شریک ہوتے تھے۔

اورنگ زیب کی صاحب زادی زینت النسا بیگم کی بنوائی ہوئی "زینت المساجد" اس عہد کے صوفی شعرا کے باہمی ملاقات کا مرکز تھا۔ جہاں وہ اکٹھا ہوتے اور ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو محفلِ مشاعرہ کا اہتمام کرتے۔ خواجہ ناصر عندلیب اس محفلِ مشاعرہ کے اہم رکن تھے۔ بلکہ اس کا پورا اہتمام و انتظام بھی وہی کرتے تھے۔ درد بھی اپنے والد کے ساتھ اس مشاعرے میں پابندی سے جاتے تھے۔ اور اس طرح انھیں اپنے عہد کے بڑے اور سر برآوردہ شعرا کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ یہیں خواجہ میر درد کی ملاقات میر تقی میر سے ہوئی۔ اور دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوئے، اپنے "تذکرہ" "نکات الشعرا" میں میر نے لکھا ہے کہ خواجہ ناصر عندلیب نے اپنی زبانِ مبارک سے ان کے متعلق یہ کلمات خیر کہے تھے کہ "میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد" (اے میر تو میر مجلس ہوگا۔) غالباً یہ واقعہ بھی خواجہ ناصر عندلیب کے اسی مجلس مشاعرہ

میں پیش آیا جس میں شرکت کو میر باعث شرف سمجھتے تھے۔

ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو مشاعرہ کی یہ محفل خواجہ ناصر کی وفات تک پابندی سے منعقد ہوتی رہی۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد دہلی کے حالات اور گردش روزگار سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ اور مشاعرہ کی مجلس درہم برہم ہوگئی۔ افغانوں اور مرہٹوں کی جنگ (۱۷۵۷ء) کے سبب دہلی میں پھر غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ بدنظمی اور انتشار شہر دہلی کا مقدر بنا۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ، مغل بادشاہ عالمگیر ثانی کا ۱۷۵۹ء میں عماد الملک کے ہاتھوں قتل، روہیلوں کا بڑھتا ہوا اثر وہ واقعات تھے جس نے دہلی کی تہذیبی زندگی کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ چنانچہ شعرا کی یہ نشست بھی جاری نہ رہ سکی۔ پھر خواجہ میر درد کی توجہ، شاعری کے بجائے تصوف، اخلاق اور روحانی ترقیات پر مرکوز تھیں۔ چنانچہ انھوں نے میر تقی میر سے خود کہا کہ اگر آپ مہینہ کی پندرہ تاریخ کے مشاعرے کا یہ سلسلہ اپنے گھر دوبارہ شروع کریں تو بہتر ہوگا۔ میر نے درد کی اس خواہش کا احترام کیا۔ اور اپنے یہاں ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو "ریختہ کی مجلس" مقرر کر دی۔

شعبان المعظم کی دوسری تاریخ ۱۱۷۲ھ مطابق ۲ اپریل ۱۷۵۹ء کو خواجہ ناصر عندلیب کا وصال ہوگیا۔ اور آپ ترکمان گیٹ کے نزدیک قبرستان میں دفن ہوئے۔ تدفین کے لیے جگہ کا انتخاب بھی درد نے آنحضرت علیہ السلام کے غیبی اشارے کے مطابق کیا۔ خواجہ ناصر عندلیب کے مزار کے کتبہ پر، ناصر نذیر فراق کے بیان کے مطابق درج ذیل عبارت کندہ تھی:

محبوب خدا، خواجہ محمد ناصر   حق راہ نما، خواجہ محمد ناصر
ہادی و شفیع و دستگیر ہمہ ہاست   در ہر دو سرا، خواجہ محمد ناصر

ناصر الملت والدین، امیر المحمدیین الخالصین، محمدی المتخلص بہ عندلیب علیہ التحیات، ولادت ۲۵ شعبان ؁، وارثِ علم امامین و علی، رحلت یوم شنبہ بعد العصر، قرب شام، شعبان ۱۱۷۲ھ عمر شریف ۶۶ سال ۱۱۰۵ھ (میخانۂ درد صفحہ ۹۷)

خواجہ ناصر کے انتقال سے کچھ پہلے درد پر "واردات" کی رباعیوں کا القا شروع ہو چکا تھا۔ جس کی تفصیلی کیفیت "تصنیفات" کے باب میں مذکور ہے۔ واردات کی بیشتر

رباعیاں خواجہ ناصر نے سُنی تھیں اور انھیں نہایت پسند فرمایا تھا۔

ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کے مشاعرے کے علاوہ درد کی بارہ دری میں عرس اور محفل سماع کی رونق، درد کے مریدوں اور معتقدوں کے علاوہ، دہلی کے دیگر باذوق لوگوں کے لیے بھی وجہ کشش تھی۔ یہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھا ہوتے، اور محفل سماع کے جملہ آداب ملحوظ رکھتے ہوئے موسیقی کے اعلیٰ فنی مظاہروں سے محفوظ ہوتے تھے۔

خواجہ میر درد ہر مہینہ کی دوسری اور چھبیسویں تاریخ کو محفل سماع کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ دوسری تاریخ کی محفل خواجہ ناصر کی وفات کی یادگار میں اور ۲۶ ویں کی ولادت کی یادگار میں ہوتی تھی ناصر نذیر فراق کے بیان کے مطابق دوسری تاریخ کی رات ہی سے محفل کی تیاری شروع ہو جاتی تھی بارہ دری کے اندر اور اس کے وسیع صحن میں دریوں اور چاندنیوں کا فرش بچھایا جاتا تھا۔ شامیانے لگتے تھے۔ جھاڑ فانوس میں شمع روشن کی جاتی۔ کورے مٹکے، جھجھریاں اور صراحیاں پانی سے بھر کر رکھ دی جاتیں۔ شہر کے اور شہر کے باہر کے ڈوم، کلاونت، قوال، گویتے، بن بلائے سیکڑوں کی تعداد میں حاضر ہوتے۔ شہر میں دھوم مچ جاتی کہ آج رات کو خواجہ میر درد صاحب کی بارہ دری میں دوسری کی محفل ہے۔ عوام الناس تو اس محفل میں بے شمار اکٹھا ہو جایا کرتے تھے۔ مگر دلّی کے امیر، وزیر، صوفی حضرات بھی جو راگ کو معراج کمال کا زینہ سمجھتے تھے بارہ دری میں تشریف لے آتے۔ جب خواجہ صاحب کو معلوم ہوتا کہ اب محفل خاص و عام سے بھر گئی ہے تو اپنے عبادت خانہ سے نکل کر بارہ دری میں رونق افروز ہوتے۔ آپ محفل میں آکر دوزانو بیٹھ جاتے اور آپ کی محفل میں دوزانو بیٹھنے کا عام قاعدہ تھا۔ اشارہ پاتے ہی راگ شروع ہو جاتا۔ اور اہلِ کمال باری باری اپنا جوہر دکھاتے۔

راگ اور موسیقی کا شغف بھی درد کو بڑی حد تک ورثہ میں ملا تھا۔ یوں تو خود درد کا میلانِ طبع غنا اور موسیقی کی طرف تھا لیکن ان کے والد اور مرشد خواجہ ناصر عندلیب بھی موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور ان کے روحانی مربّی جن سے خواجہ ناصر کو نہایت ارادت و محبت تھی یعنی شاہ سعد اللہ گلشن، فن موسیقی میں کمال کے سبب دہلی میں

خسرو ثانی کے لقب سے معروف تھے۔ نالۂ عندلیب میں جگہ جگہ موسیقی کی اصطلاحوں اور مختلف راگوں کے حوالے، موسیقی پر خواجہ ناصر کی دست رس اور اس علم کی فنّی باریکیوں سے ان کی واقفیت کا پتہ دیتے ہیں۔

فنِّ موسیقی اور اس کی اصطلاحات کا بہ کثرت استعمال یوں بھی صوفی شعرا کی عام روایت رہی ہے۔ اس فن کی اصطلاحوں، سازوں اور راگوں کی مختلف اقسام کی مدد سے ان شعرا نے تصوف کے مسائل اور سلوک کے مختلف مقامات اور کیفیات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے درد کی فارسی اور اردو کی غزلوں اور رباعیوں میں بھی اس علم کے حوالے ملتے ہیں۔

موسیقی سے درد کی دل چسپی فقط تفنّنِ طبع اور لذّتِ گوش کی حد تک نہ تھی۔ بلکہ دیگر علوم کی طرح انھوں نے اس علم کے اصول و قواعد سیکھے تھے۔ اور اس علم میں اس درجہ مہارت بہم پہنچائی تھی کہ اس عہد کے تمام نامور اہلِ کمال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس کی فنی باریکیوں پر آپ سے گفتگو کرتے تھے۔ راگوں اور راگنیوں کے اقسام اور ان کے باہمی امتیازات سے درد بخوبی واقف تھے۔ موسیقی سے درد کی یہ واقفیت محض علم کی حد تک نہ تھی بلکہ عملی طور پر آپ نے اس کی کافی مشق بھی کی تھی۔ بڑے بڑے موسیقار اور گویّے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور گویے فیروز خاں کے ساتھ تخلیہ میں مختلف راگوں کی صحبت ہوا کرتی تھی۔ اور فیروز خاں انھیں سُن کر ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا تھا کہ جس مہارت سے درد مختلف راگوں اور ان کے لطیف نشیب و فراز کو ادا کرتے، پیشہ ور گویّے بھی قاصر تھے۔

(میخانۂ درد ص ۱۴۳)

خواجہ میر درد خود بھی کہا کرتے تھے کہ نغمہ و سرود کو میں نہ تو فاسقوں فاجروں کی طرح سُنتا ہوں جو مجازی محبوبوں کے تصور میں دیوانے ہوتے ہیں اور کانوں کی لذت پر اکتفا کرتے ہیں اور نہ ہی ان مغلوب الحال صوفیا کی طرح جو چنگ و رباب کی فقط دلکش آوازوں پر سر دھنتے ہیں۔ بلکہ جس طرح اہلِ علم مختلف طبعی علوم کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کی باریکیوں کو خوب جانتے ہیں مگر علما کی طرح ول سے اس پر اعتقاد نہیں رکھتے ہیں اسی طرح موسیقی کے ساتھ شغل کرتا ہوں کیونکہ موسیقی ریاضی کی ایک نہ بنوہ شاخ ہے۔ اور طرفہ لطف و اثر رکھتی ہے۔

خواجہ میر درد اگرچہ فارسی و عربی میں شعر کہتے تھے لیکن شاعری کے علاوہ بھی آپ بھاشا میں، خیال ٹھمری، ہوری، ٹپّہ، دھرپد، وغیرہ راگ گانے کی چیزیں بھی تصنیف فرمایا کرتے تھے۔ اور پیشہ ور گانے والے انھیں بہ طور تبرک لے جاتے تھے۔ آپ کی اس نوع کی تخلیقات کے متعلق خواجہ میر اثر نے بھی اپنی مثنوی "خواب و خیال" میں اشارے کیے ہیں ؎

گر بہ تقریب راگ ہوتا ہے — سینہ یک لخت آگ ہوتا ہے
راگ ہر اک جُدا ہیں گو بے شک — پر اثر میں ہیں اب بھی دیپک
حضرتِ درد کے بنائے خیال — کیا کہوں کیا کرے ہیں دل کا حال
تان ہر اک جان لیتی ہے — پھر لذّت دلوں کو دیتی ہے
لطف بولوں کا جان سے ہے جُدا — ہے دل و جان ہر طرح سے فدا

دل چسپ بات یہ ہے کہ نقش بندیہ سلسلہ سے تعلق رکھنے اور اس سلسلہ کے مسندِ رُشد و ہدایت پر بیٹھنے کے باوجود، درد کو سماع، موسیقی، اور راگوں سے دل چسپی تھی۔ کیونکہ تصوف کے دیگر سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، اور سہروردیہ کے مقابلہ میں یہ سلسلہ شریعت کے احکام کی پابندی اور سنّتِ رسول کے اتباع پر زیادہ اصرار کرتا اور اسی کو نجات کا راستہ سمجھتا ہے۔ احکام شرعیہ میں کسی قسم کی رخصت سلسلۂ نقش بندیہ کے بزرگوں کے نزدیک روا نہیں، چنانچہ سماع اور موسیقی سے دل چسپی اور اس کی محفلوں میں شرکت ان حضرات کے نزدیک درست نہیں ہے۔ درد خود بھی اپنی اس دل چسپی کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے تھے۔ اور اسے یک گونہ مجبوری پر محمول کرتے بلکہ غیبی ابتلا تصور کرتے تھے۔ ممکن ہے معاصرین علما نے ان کے اس عمل پر اعتراض بھی کیا ہو کیونکہ درد نے جہاں محفل سماع میں اپنی شرکت اور دل چسپی کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان کا اعتذار بھی نمایاں ہے۔

نالۂ درد میں موسیقی سے اپنی دل چسپی کا اعتراف اور اس امر میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میرا سماع من جانب اللہ ہے۔ خدا اس بات کا گواہ ہے کہ گانے والے از خود آتے ہیں، اور جب تک چاہتے ہیں گاتے ہیں۔ نفقیر نہ ان کو بلاتا ہے اور نہ ہی سماع کو عبادت سمجھتا ہے۔ اس امر میں میرا موقف وہی ہے کہ، "نہ تو یہ کام کرتا ہوں اور نہ اس سے انکار کرتا ہوں" (نہ انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم)، میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو میرے بزرگوں کا ہے۔ چونکہ اس آزمائش میں فقیر خدا کی مرضی سے مبتلا ہے، اس لیے امیدوار ہے کہ خدا ہی معاف بھی کریگا۔ نہ تو اس کام کے جواز کا فتویٰ اپنے احباب کو دیتا ہوں، اور نہ ہی سلوک کی بنیاد سماع پر رکھتا ہوں۔" اے کرم فرما! تیرا یہ غصّہ عبث ہے۔ تجھے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ خدا اس بات پر قادر ہے کہ اس کا دریائے رحمت جو کسی علّت اور سبب کا محتاج نہیں، جوش میں آئے۔ اور ہم جیسے چھوٹے لوگوں کے صغیرہ گناہوں کو تمہارے جیسے بڑے لوگوں کے کبیرہ گناہوں کی طرح، اپنے عفو و درگزر کے دامن میں چھپالے" (نالہ نمبر ۲)

سماع کے من جانب اللہ ہونے کے سلسلہ میں درد کی یہ دلیل کہ گانے والے از خود آتے ہیں، میں انھیں بُلاتا نہیں ہوں، معترضین کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ کیونکہ اگر درد انھیں بلاتے نہیں تھے تو منع تو کر سکتے تھے۔ خیر درد کے اس بیان میں اعتذار کے ساتھ ساتھ ان کے طنز کا لہجہ بھی نمایاں ہے۔ ایسے کرم فرماؤں کو گریبان میں منہ ڈالنے کی دعوت دینا اور انھیں دوسروں پر اعتراض کے بجائے اپنے کبائر کے ارتکاب پر آگاہ کرنا درد کے ردِّ عمل کو واضح کرتا ہے۔

نقش بندیہ سلسلہ کے بانی خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے حالات میں مذکور ہے کہ ان سے بھی جب کسی نے سماع کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو انھوں نے بعینہٖ وہی الفاظ کہے تھے جو درد نے کہے یعنی "نہ انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم" درد کا اشارہ بھی خواجہ بہاؤالدین نقش بند کے اِسی جواب کی طرف تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ نغمہ و سرود سے درد کی اس دل چسپی پر اعتراض کی یہ مدت طویل رہی کیونکہ اس سلسلہ میں درد کے بیانات اور سماع کے متعلق ان کی توجیہات مختلف اوقات میں ملتی ہیں۔ آہ سرد میں اس مسئلہ پر انھوں نے طنزیہ لہجہ کے بجائے متوازن اور سنبھلے ہوئے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اور اس فعلِ نامشروع کی قابل قبول توجیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ میرا موسیقی سے شغف اور اس کی کیفیت مغلوب الحال صوفیا اور دیگر صاحبان ہوا و ہوس کے نغمہ و سرود سننے سے یکسر

مختلف ہے۔ میں طبیعتِ حیوانیہ سے مغلوب ہوکر ذوق و شوق سے یہ چیزیں ہرگز نہیں سُنتا۔ بلکہ میرا معاملہ تو یہ ہے کہ علما و فضلا جس طرح بہت سے علوم ریاضیہ کی درس و تدریس کرتے ہیں اور اہلِ اسلام کے بعض عقائد اگرچہ حکما و فلاسفہ کے بہت سے عقائد کے مطابق نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ علوم طبیعہ، ریاضیہ، اور الٰہیہ کا درس دیتے ہیں۔ اور اس کی باریکیوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ میرا موسیقی سے شغف بھی اسی نوعیت کا ہے۔ واقعہ ہے کہ علم موسیقی ریاضی علوم میں عجیب دقیق اور باکیفیت علم ہے۔ طبیعتوں پر بہت زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ اور یہ بات وہی سمجھ سکتا ہے جو اس علم کے اونچ نیچ کو خوب جانتا ہو— مزید برآں مجھے کچھ ایسا شوق بھی نہیں جیسا دوسروں کو ہوتا ہے۔ اس کام کو نہ اتنا بہتر سمجھتا ہوں جتنا بعض دوسرے صوفیا اور نہ اتنا بُرا جانتا ہوں جتنا ظاہر بیں علما۔ بہرحال خدا یہ بات زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ان گانے والوں کو میں بلاتا نہیں ہوں، اور نہ ہی انھیں اس کی کوئی اجرت دیتا ہوں۔ اگر یہ تا عمر نہ آئیں تو میرے دل میں سماع کا خیال بھی ہرگز ہرگز نہ آئے گا۔ نہیں معلوم کہ مجھے سماع سُنوانے میں خدا کی کیا حکمت پوشیدہ ہے کہ اس فن کے تمام باکمالوں کو بے اختیار کھینچ دیتا ہے۔ مجھے نغمہ و سرود سے کیا سروکار، مجھ دیوانہ کے لیے تو بس ایک "ہو" کافی ہے۔ (آہ نمبر ۷۷)

درد نے کبھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ ان کے معتقدین اور ارادت مندان کے تمام اعمال و افعال کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں۔ بلکہ اطاعت کا بنیادی اصول انھوں نے سُنّت رسول کی اتباع اور احکام شریعت کی پابندی کو قرار دیا۔ احباب کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ نہایت خلوص اور حق گوئی کے ساتھ میری آپ حضرات کو یہ نصیحت ہے کہ بود و باش، اعمال و اخلاق، بے نیازی و بے پروائی اور اس کے علاوہ بھی میرے جو معاملات خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہیں، ان میں محض انھیں امور کی پیروی کریں جو سنّت رسول اللہ کے مطابق ہوں۔ وہ چیزیں جو ناپسندیدہ اور نامشروع ہیں ہرگز ہرگز اس پر عمل نہ کریں خواہ وہ مجھ سے وقوع پذیر ہی کیوں نہ ہوتی ہوں۔ اس مسئلہ میں کسی بحث و تحقیق اور حُجّت و دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ میرے پاس مباحثہ کا دماغ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسی

چیزیں آپ حضرات سے سرانجام نہیں ہوسکتیں۔ ایسی چیزوں کے لیے جس استعداد اور خداداد صلاحیت کی ضرورت ہے وہ میں کسی میں نہیں دیکھتا، آپ حضرات تو بس قبلۂ کونین کے معمولات کو اپنا پیشوا بنائیں۔ اور نالۂ عندلیب اور علم الکتاب کو سامنے رکھیں اور راہِ راست اختیار کریں (نالہ نمبر ۳۵)

معاصرین کے اعتراضات سے درد کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور نغمہ و سرود سے ان کی دلچسپی برقرار رہی۔ البتہ انھوں نے جواز کا فتویٰ دینے کے بجائے اس کی مختلف توجیہات پیش کیں، اور اِسے لہو و لعب کے بجائے اپنے لیے ایک ایسا سنجیدہ مشغلہ قرار دیا جو ذوق و شوق اور لذتِ گوش کی جگہ ذہنی ریاضت کا عمل تھا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شروع میں درد نے فوجی ملازمت بھی کی۔ اور یہ کہ وہ سپاہی پیشہ تھے۔ لیکن ۲۹ برس کی عمر میں اپنے والد کی طرح اس ملازمت سے دست بردار ہوکر خود کو تصوف اور سلوک کے لیے وقف کردیا۔ اور درویشی کا خرقہ پہن کر دنیا اور علائقِ دنیا سے کنارہ کش ہوگئے۔ لیکن درد کے اپنے کسی بیان سے ان کے سپاہی پیشہ ہونے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ نہ ہی میخانۂ درد کے مصنف نے اس طرح کے کسی پیشہ کا ذکر کیا ہے۔ درد نے اپنے متعلق آغازِ جوانی کے جو حالات لکھے ہیں۔ ان سے بس اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ۲۹ برس کی عمر سے پہلے انھوں نے خود کو روحانی اور باطنی ترقیات کے حصول کی خاطر اس طرح سے وقف نہیں کیا تھا جیسا کہ اس کے بعد کیا۔ عنفوانِ جوانی میں کچھ دنوں دنیا داری میں گرفتار رہے اور ہوا و ہوس کے میدان میں غفلت کے گھوڑے دوڑاتے پھرے، لیکن ابھی جوانی کا عالم باقی ہی تھا کہ اس فانی اور بے ثبات دنیا سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ۲۹ برس کی عمر میں لباسِ درویشانہ پہن لیا۔ (نالہ نمبر ۲۸۹)

اسی طرح علم الکتاب میں بھی اپنی دنیا داری اور خواہشِ نفسانی میں گرفتاری کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا ہے کہ عہدِ شباب میں ایک زمانہ دنیا داری کے لباس میں گزارا۔

درد کی زندگی کے گزشتہ حالات کے پیشِ نظر ان کی اس دنیا داری اور ہوا و

ہوس میں گرفتاری کی کیفیت کا کسی قدر اندازہ چنداں دشوار نہیں کہ چار پانچ برس کی عمر میں اپنی ذات اور کائنات کی حقیقت پر سوالیہ نشان قائم کرنا۔ (۱۲۔۱۳) بارہ تیرہ برس کی عمر میں طریقۂ محمدیہ میں والد کے ہاتھ پر بیعت۔ پندرہ سال کی عمر اور حالتِ اعتکاف میں رسالہ اسرار الصلوٰۃ کی تصنیف، بیس برس کی عمر میں نالۂ عندلیب کی ترتیب و تدوین میں خواجہ ناصر عندلیب کی مدد۔ ۱۸۔۲۰ کی عمر میں شہزادی مہر پرور بیگم کی درد سے ارادت و غایتِ عقیدت، پھر معاصر تذکرہ نگاروں کے بیانات، ایسی شہادتیں ہیں جن کی روشنی میں، درد کی دنیاداری کا مفہوم متعین کرنا چاہیے۔ اگر انتیس (۲۹) برس سے پہلے درد کی زندگی محض دنیاداری اور ہوس پرستی کی تھی تو پھر ۲۹ برس کی عمر سے پہلے کے یہ تمام واقعات کس خانے میں ہونگے۔ درد کی بزرگی اور برگزیدگی اس عمر سے کہیں پہلے معاصرین میں تسلیم شدہ تھی۔ اور اس عمر سے کہیں پہلے وہ علوم رسمیہ یعنی عقائد، معقولات، اصولِ فقہ و تصوف وغیرہ کی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔

غرض یہ کہ انتیس (۲۹) برس کی عمر درد کی زندگی میں کوئی ایسا خطِ فاصل نہیں کھینچتی جو ان کی زندگی کو واضح طور پر دو خانوں میں تقسیم کر سکے۔ یعنی ایک تو اس عمر سے پہلے دنیاداری اور ہوس پرستی کا دور اور دوسرا اس کے بعد درویشی اور دنیا بیزاری کا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اوائل عمری سے ہی درد کی افتادِ طبع اور والد کی تربیت نے ان کی دل چسپی مذہب اور تصوف کے حقائق و معارف میں پیدا کر دی تھی جو بعد میں انھیں روحانی ترقی اور معرفت کے بلند مقامات تک لے گئی۔ دراصل درد کے نزدیک دنیاداری اور ہوس پرستی کا مفہوم، عام تصور سے قدرے مختلف ہے۔ یہاں مُلائی، زاہدی اور تصوف کی بعض صورتیں تک دنیاداری کا مصداق ٹھہرتی ہیں۔ خدا تک رسائی، مسجد اور مدرسے کی راہوں کے بجائے، مُرشد کے آستانے کی خاک بن کر ہی ممکن ہے۔ جب سالک اپنے وجود کی نفی کرتا۔ اور ہستیٔ موہوم سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

خواہم سرِ نیازے سا یم بپائے نازے تا مدتے درازے دیدم نماز کردن

(ترجمہ:۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کسی کے پائے ناز پر اپنا سر رکھ دوں، کیونکہ ایک مدت تک نماز پڑھ کر میں نے دیکھ لیا۔ گوہر مقصود اس سے ہاتھ نہیں آتا۔)

درد نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ "مجھ ناکارہ کی خلقت ابتدا ہی سے کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کارِ دنیا مجھ سے کبھی بھی سرانجام نہ ہو سکا اور دنیوی معاملات میں ہمیشہ ہی میں بیوقوفِ محض رہا۔ بہر حال کچھ دنوں اس سے پہلے بھی میں اپنے گمان میں آخرت کے کاموں میں مصروف رہا ہوں۔ اور بزعم خود ہم مشرب بھائیوں کی خدمت (تصنیف و تالیف، دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ قبلۂ کونین کے درگاہ کی جاروب کشی، دعوتِ خلق اور اہل سلوک کی راہ نمائی جیسے کاموں میں بہ قدرِ استعداد لگا رہا۔ لیکن الحمدللہ کہ اب خدا کی عنایت نے جو کسی ظاہری علت و سبب کا مطلق محتاج نہیں، اپنے جذبِ خاص سے کھینچ کر مجھے ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں میں فقط "یفعل اللہ مایشاء و یحکم مایرید" (خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ دیتا ہے) کی آئینہ داری کرتا ہوں۔ اور "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" (تم نہیں چاہتے مگر وہ جو کہ خدا چاہتا ہے) کی راہ پر گامزن ہوں۔ سبب یہ ہے کہ میں خود ہی موجود نہیں ہوں کہ مجھ سے کوئی نیکی یا بدی سرزد ہو سکے۔ یا اپنے ارادہ سے میں کوئی کام کر سکوں۔ اب جو کچھ اچھا یا بُرا ہے اس کی ذات سے ہے۔"

درد کے اس بیان سے ان کی دنیا داری اور اس کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے کہ اپنی ہستی کو فنا کر دینے اور ارادے اور وجود سے پورے طور پر دست بردار ہونے سے پہلے مذکورہ بالا تمام اعمالِ صالحہ کو آخرت کا کام تصور کرنا ان کے نزدیک گمانِ باطل تھا۔ اور محض خود پسندی کا نتیجہ۔

درد نے اپنی زندگی میں صوفیانہ کشف و کرامت کو کبھی شعبدہ بازی سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ اگرچہ ناصر نذیر فراق نے ان کے بہت سے خرقِ عادت واقعات نقل کیے ہیں اور انھیں درد کے روحانی مرتبہ کی سند بنا کر پیش کیا ہے۔ غیب کی خبر دینا، یا گزشتہ واقعات کو بیان کرنا، درد کے نزدیک رمّال یا منجّم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ چیزیں درد کے نزدیک درویشی کے منصب سے بہت فروتر تھیں۔ اہل اللہ تعویذ گنڈے یا دیگر عملیات کو اپنا شیوہ نہیں بناتے۔ ان کی نظر فقط قربِ الٰہی اور احکام شریعت کی پابندی پر ہوتی ہے۔ تمام تر احتیاط اور ناپسندیدگی کے باوجود اس قسم کے کچھ واقعات خواجہ میر درد سے بھی منسوب ہیں۔ میخانۂ درد میں بعض کرامات

کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً ایک روز تخلیہ میں چند مرید جنھیں میر درد کے مزاج میں بہت دخل ہوگیا تھا، عرض کرنے لگے کہ حضرت سُنا ہے بعض صوفیا تبدیل برزخ کر لیتے ہیں۔ اور اپنی صورت کچھ سے کچھ بنا لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ فقر کی دکان کا کوزہ کہلاتا ہے۔ میں نے اسے اپنی دُکان سے جھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اس لیے آپ صاحبوں کو یہاں آکر اس طرح کا کوئی ڈھکوسلا نظر نہیں آتا مگر سب نے مل کر بہت اصرار کیا۔ اور کہا کہ حضرت آج تو ہمیں تبدیل برزخ کا مشاہدہ کروا ہی دیجیے۔ جب آپ مجبور ہوئے تو آپ نے فرمایا میں حجرہ میں داخل ہوتا ہوں۔ اور حجرہ کا دروازہ بند کیے لیتا ہوں، آپ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھول لیجیے گا۔ اور اس مسئلہ کو حل کر لیجیے گا۔ چنانچہ آپ حجرہ میں تشریف لے گئے۔ دروازہ بند ہوا اور مریدوں نے فوراً ہی دروازہ کھولا دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شیر ببر جس کا منہ قبلہ کی طرف ہے حجرہ میں کھڑا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اس بلا کا رعب ہے کہ زہرا آب ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے دو ایک صاحبوں کو غش آگیا۔ دو ایک چیخ کر بھاگ گئے دو ایک نے دل کڑا کر کے عرض کیا کہ حضرت بہر خدا معاف کر دیجیے، ہم گنہ گار جلال کی یہ صورت نہیں دیکھ سکتے۔ یہ کہہ کر انھوں نے دروازہ بند کر لیا۔ اور آپ مسکراتے ہوئے حجرے سے باہر نکل آئے۔

(میخانۂ درد ص ۱۴۲-۱۴۱)

۱۱۷۲ھ مطابق ۵۹-۱۷۵۸ء میں درد نے اپنی فارسی رباعیات کے مجموعہ "واردات" کی تصنیف کی۔ جس کے مضامین بلکہ متن تک مصنف کے بیان کے مطابق الہامی ہیں۔ اس وقت درد کی عمر ۳۹ برس تھی۔ امیر المحدثین خواجہ ناصر عندلیب نے اس رسالہ کا بیشتر حصہ سُنا تھا اور بہت پسند فرمایا تھا۔ اسی سال یعنی ۱۱۷۲ھ میں شعبان کی دوسری تاریخ کو خواجہ ناصر عندلیب کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد درد نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "علم الکتاب" اور چار رسالے لکھے۔ جن کی کیفیت اور تفصیل "تصنیفات" کے باب میں مذکور ہے۔ درد کی تصنیفات کے سلسلہ میں جو بات توجہ طلب اور قدرے حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ درد کی تمام تحریریں ان کے صوفیانہ افکار اور سلوک کے مختلف مقامات کے بارے میں ان کی گہری واقفیت کی آئینہ دار ہیں لیکن خارجی زندگی کے احوال و کوائف یا معاصر تہذیبی و معاشرتی صورت حال کا بیان ان کی تحریروں میں خال

خال ہی نظر آتا ہے۔ جب کہ ان کے رسالوں کا سن تصنیف ۱۱۷۰ھ اور ۱۱۸۵ھ کے درمیان ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب دہلی کی تہذیبی و معاشرتی زندگی زیر و زبر ہو رہی تھی۔ دہلی میں بعض اہم سیاسی تبدیلیاں بھی اسی زمانہ میں رونما ہوئیں۔ ان واقعات سے شہر دہلی کا ہر خاص و عام متاثر ہوا۔ مگر خواجہ میر درد کی تحریروں میں ان تبدیلیوں اور تاریخ ساز واقعات کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔ نالۂ درد میں ایک جگہ دہلی کی تباہی و تاراجی کا چند سطروں میں محض اجمالی ذکر ملتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ درد کو شہر دہلی کی بزم اور اس کی تہذیبی سرگرمیوں کے درہم برہم ہونے کا ملال تھا۔ لکھتے ہیں:

"خدا اس شہر کو تا قیامت آباد رکھے، عجب گلستاں تھا جسے حوادث زمانہ کی خزاں نے پامال کر دیا۔ اس کی نہریں، باغات، مختلف فن کے اہل کمال پر مشتمل اس کی آبادی سبھی کچھ صدمات دہر کے ہاتھوں تاراج ہو چکا ہے۔ ہر اعتبار سے یہ شہر تمام روئے زمین پر کسی ماہ وش محبوب اور اس کے سبزۂ خط کی مانند دلکش تھا۔ خدا آئندہ اسے تمام آفتوں سے محفوظ رکھے۔ اور اسے امن و سلامتی کا شہر بنائے۔

(نالہ نمبر ۱۰۴)

یہ وہ وقت تھا جب دہلی میں ہر طرف پھیلی ہوئی بدامنی اور انتشار سے تنگ آکر مختلف اہل پیشہ، صاحبانِ کمال، شاعروں اور ادیبوں نے ترکِ سکونت میں عافیت سمجھی، اور ملک کے دوسرے شہروں میں منتقل ہوگئے۔ لیکن اپنی مستقل مزاجی، اعتماد اور درویشانہ بے نیازی کے سبب درد نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور پوری زندگی ایک خاص وضع کے ساتھ دہلی میں گزاری۔ بلکہ دہلی میں بھی اپنی بارہ دری یا حجرے سے باہر نکلنا، یا دوسروں کے یہاں آنا جانا، ان کی فقیرانہ شان کے منافی تھا۔ شب و روز کا زیادہ تر وقت عبادت اور یاد الٰہی میں گزرتا۔ جو وقت بچتا تصنیف و تالیف میں صرف ہوتا۔ تلاش معاش کی خاطر دہلی چھوڑنا ان کے منصب سے بہت فروتر تھا۔ درد نے اپنے اس رویہ پر خدا کا نہایت شکر ادا کیا ہے اور اکثر اپنے مزاج کے [illegible] پر روشنی ڈالی ہے۔ [illegible] میں لکھتے ہیں یہ فقیر سراپا تقصیر جو اپنے پیر کے [illegible] معتقد [illegible] ہے کبھی اس در سے باہر قدم نہیں رکھتا، کسی [illegible] یا وزیر کے گھر کا رخ بھی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اپنے مرشد کی زیارت [illegible] درگاہ [illegible] مقبروں پر بھی نہیں جاتا [illegible] سے [illegible] عمل کرتا ہے، کیونکہ

بزرگوں کا قول ہے "ہر کہ یک جا بہر جا، و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا" (جو ایک جگہ جم کر رہتا ہے اسے ہر جگہ کے فیوض و برکات ملتے ہیں اور جو شخص ہر جگہ مارا مارا پھرتا ہے اسے کہیں سے فیض نہیں حاصل ہوتا منزل تک نارسائی اس کا مقدر ہے (آہ نمبر ۲۱۲).

نشستم بر درت یا عازم درگاہے تو گردم　　بہ آیم نے ز درگاہے روم نے سوئے درگاہے

(ترجمہ! - یا تو میں تیرے در پر بیٹھتا ہوں یا تیری درگاہ کا قصد کرتا ہوں۔ نہ تو کسی دوسری درگاہ سے آتا ہوں اور نہ کسی دوسری درگاہ کی جانب جاتا ہوں۔)

درد نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھ گوشہ نشین، خلوت گزیں کو سیر و تماشا کی مطلق خواہش نہیں، میں نے اپنے قدم فقیر خانہ سے کبھی باہر نہیں نکالے، لیکن خدا کا یہ خصوصی فضل ہے کہ ایک عالم میری شیریں کلامی کا ذکر کرتا ہے اور حسنِ ظن کے سبب میرے عیوب پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ درد کو اس بات کا یقین تھا کہ شیریں کلامی کی شہرت اور ان کے شاعرانہ مرتبہ کا اعتراف من جانب اللہ ہے۔ قبول عام یا قدر دانی کی خاطر ترک وطن کی چنداں ضرورت نہیں۔ دوسرا بڑا سبب جس نے شاعروں اور دوسرے باکمالوں کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کیا وہ تلاش معاش کا مسئلہ تھا۔ درد نے اس مسئلے کو زیادہ اہمیت اس لیے بھی نہ دی کہ قناعت اور توکل کا ایسا سرمایہ ان کے پاس تھا جس نے تلاش معاش کی صعوبتوں سے انھیں آزاد کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر مختلف اسباب کے پردے میں تجلی فرماتا ہے لیکن کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جنھیں وہ بے حجاب اور بلا واسطۂ اسباب اپنے جلوے سے سرشار کرتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں تمام معاملات میں تائید غیبی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی روزی رسانی کا معاملہ بلا کاوش و تردد قائم رہتا ہے۔ خدا ان کے لیے قدرت کاملہ کا مظاہرہ اس طور پر کرتا ہے کہ معیشت اور گزر اوقات کے اندیشے ان پاک طینتوں کی جمعیتِ خاطر کو پراگندہ نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے دل سے اپنے اختیار اور دخل کا خیال بھی ایسا محو ہو جاتا ہے کہ تلاشِ معاش کی کوشش و تدبیر تو کجا، کوشش و تدبیر کا خیال بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔ یہ حضرات توکل کی مسند پر ایسی طمانیت قلب کے ساتھ بیٹھتے ہیں کہ عنایت الٰہی سے ان کا دل دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(نور نمبر ۵۷)

ان حالات میں جب کہ درد کو شہرت، عزت، طمانیت قلب، سبھی کچھ دہلی میں میسر تھا

تو ان چیزوں کی تلاش میں ترک وطن کی ضرورت بھی کیا تھی۔ درد ان مخصوصین میں شامل تھے جنھیں اسبابِ ظاہری کے واسطہ کے بغیر ہی تجلیات خداوندی سے سرشاری کی دولت نصیب تھی۔ ان کی جمعیتِ خاطر کو گزر اوقات کے اندیشے منتشر نہیں کرتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ جس نے درد کو دہلی چھوڑنے سے باز رکھا ہوگا وہ قبلۂ کونین خواجہ ناصر عندلیب کے بیت المعمور کی زیارت سے محرومی کا اندیشہ تھا۔ دہلی سے باہر جانے کی صورت میں درد کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پابندی سے اپنے والد اور روحانی مربّی کی درگاہ پر حاضری دے سکتے۔ امیر المحمدیین سے یہ دوری، درد کو کبھی گوارا نہ تھی۔ درد کے لیے زندگی کی معنویت ہی پیر سے والہانہ تعلق میں تھی۔ اس کے سامنے ساری دنیا اور اس کی تمام آسائشیں ان کے لیے ہیچ تھیں۔ دہلی میں درد کو کسی امیر وزیر یا صاحب ثروت سے ملنا بھی گوارا نہ تھا۔ یہاں تک کہ دوسرے بزرگوں کے مقبرے بھی ان کے لیے معنی تھے، وہ نہایت پابندی سے والد کی مزار پر جاتے اور باطنی فیوض حاصل کرتے تھے۔ "میخانۂ درد" کے مصنف کے مطابق درد بلا ناغہ اپنے والد کی مزار پر حاضری دیتے تھے۔ اور کبھی کبھی راتیں بھی وہیں گزارتے، یہاں تک کہ جس روز احمد شاہ دُرّانی شہر دہلی تک آگیا اور دہلی کے چاروں طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، اس روز بھی آپ نے درگاہ شریف پر جانے کا قصد کیا۔ مگر گھر والوں نے دست بستہ کہا کہ خدا کے لیے آج آپ بارہ دری سے باہر قدم بھی نہ نکالیں لیکن آپ احمد شاہ دُرّانی کے سپاہیوں کے درمیان سے ہو کر درگاہ شریف پہنچے، اور اپنے معمول کے مطابق وہاں جھاڑو بھی دی۔ اور مزار پر یہ رباعی پڑھی۔

درِ کوئے تو اے مونسِ جاں می آیم　　تا جاں باقی ست بیگاں می آیم
گر شام کشاں کشاں برندم زینجا　　چوں صبح ورد باز باں می آیم

(ترجمہ! اے مونس جاں! میں تیری گ[illegible]ں آتا ہوں۔ اور جب تک جان باقی ہے بلا اندیشہ آ رہا ہوں۔ اگر شام کے وقت لوگ مجھے کھینچ کر یہاں سے لے بھی جائیں تو جیسے ہی صبح ہوگی پھر حاضر ہو جاؤں گا۔)

ان حالات میں درد نے نہ تو دہلی چھوڑنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی ان کے لیے ممکن تھا۔

درد کے زمانے میں مرزا مظہر جانِ جاناں، میر عبدالحئی تاباں، مرزا رفیع سودا، میر تقی میرؔ، میر سوزؔ، بھولو شاہ، شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ جیسے اہم حضرات دہلی میں موجود تھے۔ اور بھی آپ کے علم و فضل، شاعرانہ کمالات اور اس سے بھی زیادہ آپ کے تقویٰ و روحانی مرتبے کے قائل تھے۔ محمد حسین آزاد کی روایت کے مطابق، مرزا رفیع سودا نے اپنے بعض دوسرے معاصرین کی طرح، ان پر بھی چوٹ کی، سودا کے مزاج کی تیزی، اور ہجو نگاری سے ان کی طبعی مناسبت کے پیشِ نظر یہ کچھ بعید بھی نہیں کہ اس قسم کا کوئی واقعہ سودا کی طرف سے پیش آیا ہو۔ سودا نے اپنے قصیدے "در مدحِ سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر" میں جن معاصر شعرا کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے ان میں خواجہ میر درد بھی شامل ہیں۔ قصیدہ کے ابتدائی اشعار یہ ہیں ؎

داغ ہوں ان سے اب زمانے میں	بزم شعرا کے ہیں جو صدر نشیں
یعنی سودا و میرِ قائم و درد	بے ہدایت سے تا کلیم و حزیں
کیا غرور و دماغ کیا نخوت	کون سا کبر ہے جواں میں نہیں
بعد صد منت و سماجت کے	جاویں گر یہ مشاعرے میں کہیں
میر مجلس کی تاب و طاقت کیا	کرے تکلیف شعر ان کے تئیں

اسی قصیدے میں آگے کہتے ہیں ؎

درد کس کس طرح ملاتے ہیں	کرکے آواز منحنی و حزیں
اور جو احمق ان کے سامع ہیں	دم بدم ان کی یوں کریں تحسیں
جیسے "سبحان من یرانی" پر	لڑکے مکتب کے سب کہیں آمین

ان اشعار میں سودا نے اپنے زمانے کے شاعروں پر جہاں مختلف طنز کیے ہیں اور ان کی کمزوریوں کو بھی نمایاں کیا ہے۔ وہیں میر قائم اور درد کے ساتھ خود کو بھی شمار کیا ہے۔ سودا نے دوسری کمزوریوں کے ساتھ ان معاصر شعرا کے اس رویہ کا بھی مذاق اڑایا ہے کہ یہ لوگ شعر میں مصنوعی درد کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اسے منحنی اور حزیں آواز میں پڑھتے ہیں۔ گویا اشعار میں درد کی کیفیت کا فقدان ہے۔ محض آواز کے زیر و بم سے اشعار میں درد ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔

خواجہ میر درد نے سودا کے ان اشعار پر اپنے ردِ عمل کا اظہار بھی کیا اور اپنے

ایک مقطع میں سودا کو یوں مخاطب کیا ہے ؎

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہے ولے	جوں غنچہ سو زبان ہیں اس کے دہن کے بیچ

روحانی مرتبہ کے علاوہ، درد کے معاصرین، شاعری میں بھی ان کے فنی مرتبہ کے معترف تھے۔ بہت سے سربرآوردہ اور باکمال شاعر فنِ شعر گوئی میں ان کے شاگرد ہوئے، ان حضرات نے اشعار پر اصلاح لینے کے ساتھ ساتھ، خواجہ میر درد کی صحبت میں اپنے شعری ذوق کی تربیت بھی کی۔ اور ہمیشہ اس امر کے معترف رہے۔ بلکہ درد سے اپنی اس نسبت کو باعثِ شرف سمجھتے تھے۔

قیام الدین قائم، جن کا شمار اٹھارھویں صدی عیسوی کے اہم غزل گو شعرا میں ہوتا ہے، چاند پور کے رہنے والے تھے۔ شاعری کا شوق انھیں بچپن سے تھا۔ دہلی میں دربارِ شاہی میں ملازم تھے۔ کچھ دنوں امروہہ کے قاضی بھی رہے۔ خواجہ میر درد سے اپنے اشعار پر اصلاح لیتے تھے۔ بعد میں مرزا رفیع سودا کے بھی شاگرد ہوئے، انھوں نے شعرا کا ایک تذکرہ بھی "مخزنِ نکات" کے نام سے لکھا ہے۔ اصلاحِ زبان کے سلسلے میں ان کا مشہور شعر ہے ؎

قائم میں غزل طور کیا ریختہ، ورنہ	اک بات لچر سی بہ زبانِ دکنی تھی

۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

میر حسن، جو اپنی شاہکار مثنوی، سحر البیان کے سبب اردو زبان و ادب کی تاریخ میں زندۂ جاوید ہیں، درد کے ارشدِ تلامذہ میں تھے۔ میر ضاحک نے جو اپنے زمانے کے مشہور ہجو نگار تھے اپنے فرزند میر حسن کی تربیت اور تعلیم کے لیے خواجہ میر درد کا انتخاب کیا۔ یہ درد کی علمیت اور معاصرین میں ان کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف تھا کہ شیعہ ہونے کے باوجود میر ضاحک کی نظرِ انتخاب، خواجہ میر درد پر پڑی، جو نہ صرف یہ کہ سُنی اور عقائد کے اعتبار سے حنفی تھے بلکہ رشد و ہدایت کے منصب پر فائز تھے۔ دہلی کی بربادی اور گردشِ روزگار کے سبب، میر ضاحک کو دہلی چھوڑ کر فیض آباد جانا پڑا۔ میر حسن بھی ناچار اپنے والد کے ساتھ فیض آباد منتقل ہو گئے۔ لیکن میر حسن جب تک دہلی میں رہے خواجہ میر درد کی بارہ دری میں پابندی سے حاضری دیتے۔ اور خواجہ صاحب سے مختلف علوم خصوصاً فنِ شعر گوئی کے رموز و نکات حاصل کرتے رہے۔ دیوان اور مثنویوں کے

علاوہ میر حسن نے "تذکرہ شعرائے اردو" بھی لکھا۔

میر اثر تو خیر آپ کے چھوٹے بھائی ہی تھے؛ روحانی مدارج کے حصول اور باطنی اصلاح کے علاوہ شاعری میں بھی انھوں نے خواجہ میر درد سے بہت کچھ سیکھا۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان کی طرح آپ کی مثنوی "خواب وخیال" بھی مثنوی کی تاریخ میں ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے بھی اپنا تخلص خاندانی روایت کے مطابق مرشد کے تخلص کی رعایت سے "اثر" رکھا۔ کہتے ہیں کہ مثنوی خواب وخیال میں ایک معتد بہ حصہ خواجہ میر درد کے اشعار کا ہے۔

اس کے علاوہ کلیم نثار اللہ خاں فراق، مرزا اسمٰعیل طپش، شاہ محمد بیدار اور بعض دوسرے شعرا نے بھی درد کی شاگردی اختیار کی۔ کچھ ہندو شعرا بھی درد کے عقیدت مند تھے۔ اور ان سے اشعار پر اصلاح لیتے تھے۔ جیسے لالہ مکند لال، حضور، اور نرائن داس بیخود۔ مصحفی اس بات کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے کہ اودھ آنے سے پہلے انھیں بار ہا درد سے ملاقات کا موقع ملا۔

خواجہ میر درد کی اولادوں میں ایک فرزند اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ فرزند کا نام خواجہ میر تھا اور وہ تخلص، الم کرتے تھے۔ ان کا لقب ضیار الناصر تھا۔ صاحبزادیوں کے نام براتی بیگم، اور زینت النسار بیگم تھے۔ میر حسن نے الم کے حالات تفصیل سے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں۔ آپ کو سیر و سیاحت سے خاصی دلچسپی تھی چنانچہ میر حسن کے بیان کے مطابق آپ فیضی آباد بھی گئے، اور ناصر نذیر فراق کے مطابق ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ بلادِ اسلامیہ اور بعض جزیروں کا بھی سفر کیا۔ ہزاروں فقیروں اور درویشوں سے ملاقات کی، آپ بارہ برس تک پیادہ پا مختلف علاقوں میں گھومتے رہے۔ فراق نے آپ کی بہت سی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ خواجہ میر اثر کے انتقال کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ خدا نے انھیں بہت مقبولیت اور شہرت دی۔ کہتے ہیں کہ قلعہ کی شہزادیوں اور شہزادوں کی آمد و رفت آپ کے زمانے میں بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کی طبیعت میں بھی شاعری کا خاندانی ذوق موجود تھا۔ ۲۱ جمادی الآخر ۱۲۱۵ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ اور خواجہ میر درد کے پائیں دفن ہوئے۔

خواجہ میر درد کی بڑی صاحبزادی براتی بیگم کی شادی، میر درد کے چچازاد بھائی مولوی عبدالحیٔ صاحب سے ہوئی۔ مولوی عبدالحیٔ جید عالم اور مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ آپ کی علمی استعداد کی وجہ سے، انگریزی حکومت نے انھیں اچھی ملازمت بھی دی۔ اور انھیں کلکتہ بھیج دیا۔ اپنے اعلیٰ عہدہ کی وجہ سے مولوی عبدالحیٔ صاحب نے بنارس کے قریب ایک بڑی زمین خرید کر ناصری گنج نام کا ایک قصبہ بھی آباد کیا تھا۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب اس زمانے میں ایک ہزار روپیہ ماہانہ خرچ کے لیے براتی بیگم کو دہلی بھیجتے تھے۔ کیونکہ براتی بیگم کو میر درد کی بارہ دری چھوڑ کر کلکتہ جانا پسند نہ تھا۔ (میخانہ درد ص ۱۹۳)

خواجہ میر درد کی دوسری صاحبزادی زینت النسار بیگم کی شادی میر کلو اکبر آبادی سے ہوئی۔ جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ میر نعمان صاحب اکبر آبادی کی اولاد میں تھے۔ زینت النسار بیگم کے بطن سے شاہ محمد نصیر تخلص بہ رنج پیدا ہوئے، جو میر الم کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ محمد نصیر رنج کی پیدائش میر درد کی زندگی میں ہی ۱۱۸۹ھ میں ہوئی اور انھیں سے بیعت بھی کی۔ محمد نصیر رنج کو علم موسیقی اور ریاضی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ حکیم مومن خاں مومن جو خود بھی بڑے صاحب علم تھے کہا کرتے تھے کہ اس وقت دہلی میں محمد نصیر رنج جیسا عالم فاضل کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔

خواجہ میر درد کو اپنے اہل و عیال سے بہت تعلق تھا۔ اور انھیں درد بہت عزیز رکھتے تھے متاہلانہ زندگی ان کے نزدیک فقر و درویشی کے منافی نہ تھی، تجرّد اور رہبانیت کو درد نے کبھی بھی پسند نہیں فرمایا۔ خواجہ ناصر عندلیب کا موقف بھی یہی تھا۔ انھوں نے نالۂ عندلیب میں لکھا ہے کہ متاہلانہ زندگی بسر کرنے والا درویش، تجرّد کی زندگی گزارنے والے درویش سے سو گونہ (۱۰۰) بہتر ہے۔

درد اس بات کے معترف بھی ہیں کہ میں اپنے اہل و عیال کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اور بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار رہوں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ بات قوتِ حیوانیہ کی وجہ سے ہے یا کیفیت انسانیہ کی وجہ سے، یا محض

محبتِ نفسانیہ کے سبب، بہر حال میرا سچا دوست وہی شخص ہے جو میری بیوی بچوں کو عزیز رکھتا ہے۔ (نالہ نمبر ۷)

اپنے اس رویہ کی تائید میں درد نے آنحضرت کی روایت بھی نقل کی ہے کہ "الفاطمۃ بضعۃ منّی من اذاھا فقد آذانی" (فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جس نے فاطمہ کو اذیت دی تو گویا اُس نے مجھے اذیت دی)۔

درد کو اپنے زمانے میں جو مقبولیت و شہرت حاصل تھی وہ کم لوگوں کے حصہ میں آئی، معاصرین ان کا احترام کرتے تھے۔ اور ان کے روحانی مرتبہ کے قائل تھے۔ معاصر تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق ان کا شاعرانہ مرتبہ بھی مسلّم تھا۔ درد کو اپنی اس قدردانی کا اندازہ بھی تھا اور اعتراف بھی لیکن انھیں اس بات کا ہمیشہ افسوس رہا کہ انھیں کسی شخص نے جیسا چاہیے تھا نہیں پہچانا۔ سبھی اپنے گمان کی جولانگاہ میں چکر لگاتے رہے۔ اگر اہلِ معاملہ کو میرے صفائے قلب کی ذرا بھی شناخت ہوتی تو یہ شطرنجی چالیں مجھ سادہ لوح کے ساتھ ہرگز نہ چلتے۔ الحمدللہ میں نے ان معاملات کی کبھی پرواہ نہ کی۔ میری توجہ تو ہمیشہ دوسرے ہی عالم کی طرف ہے۔ (درد نمبر ۶۴)

درد کے رسالہ شمع محفل سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ درد کو بذریعہ الہام اپنے سالِ ارتحال کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔ انتقال سے بیس برس قبل اللہ تعالیٰ نے درد کو تین چیزوں کی بشارت دی تھی۔ اول یہ کہ تمہارا حشر تمہارے والد کے ساتھ ہوگا۔ اور تمہارے اور والد کے درمیان قیامت کے دن اس درجہ صوری مماثلت ہوگی کہ خویش و بیگانہ کوئی بھی تم دونوں میں باہم امتیاز نہ کر سکے گا۔ دوسرے یہ کہ تمہیں اس دنیا سے رحلت کی اطلاع پہلے سے دیدی جائیگی۔ داعی اجل کو ہم تمہارے پاس بے خبری اور لاعلمی کے عالم میں نہ بھیجیں گے۔ اور تیسرے یہ کہ وصال سے کچھ دنوں قبل تم سے بہت سی کرامات ظہور پذیر ہونگی اور اس کثرت سے ہونگی کہ یار و اغیار سبھی بے اختیار ہو کر تمہاری حقیقت اور مرتبہ کا اعتراف کریں گے۔ کسی کو بجز اقرار، مجالِ انکار نہ ہوگا (نور نمبر ۳۲۹)

شمع محفل کے اختتام پر اپنی اس پیش گوئی پر یقین کامل کا اظہار کرتے ہوئے

انھوں نے آخری نور نمبر ۳۴۱ میں اعلان کیا کہ یہ رسالہ بھی پچھلے تینوں رسالوں کی طرح اسم "نام" کے اعداد کے مطابق ۳۴۱ ویں نور پر ختم ہو رہا ہے۔ اور اس فقیر کی عمر بھی ۶۶ ویں برس کے آغاز میں اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ ۶۶ کا عدد اللہ کے اسم مبارک کا ہم عدد ہے۔ ۱۱۹۹ھ کے ماہِ صفر میں رسالہ شمع محفل کا اختتام ہو رہا ہے۔ یہی بندہ کے خاتمہ بالخیر کا بھی سال ہے۔

اور اس طرح ۲۴ صفر بروز جمعہ قبل صبح صادق ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۷۸۵ء ۶۶ برس کی عمر میں خواجہ میر درد کا وصال ہوا۔ میر محمدی بیدار کے اس شعر کے آخری مصرعہ سے بھی درد کا سالِ وفات ۱۱۹۹ھ برآمد ہوتا ہے ؎

یک پہر شب ماندہ ہاتف کرد واویلا وگفت
ہائے بود آدینہ، و بست و چہارم از صفر

تصانیف

میر دردؔ نے اپنے والد اور مُرشد خواجہ ناصر عندلیب کے حالات زندگی اور ان کے روحانی کمالات کا ذکر جس ارادت اور عقیدت سے کیا ہے اس سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ درد کی نشوونما اور ان کی ذہنی تربیت کس نہج پر ہوئی۔ خواجہ ناصر نے شاہی دربار کی ملازمت سے دست بردار ہوکر درویشی اختیار کی۔ اور خواجہ زبیر اور شاہ سعد اللہ گلشن کی صحبتوں میں تصوف اور سلوک کی انتہائی منزلیں طے کیں۔ انھوں نے ہستیٔ موہوم کی طرف سے آنکھیں بند کرکے حیاتِ جاودانی کی تعبیر کو اپنا سرمایۂ حیات بنایا۔ میر دردؔ کے مخصوص مزاج اور افتادِ طبع پر والد کی تعلیمات، اور ان کے صوفیانہ افکار کا گہرا اثر پڑا۔ مزید یہ کہ خود درد کا فطری رجحان بھی دنیا اور علائق دنیا سے ہم آہنگ نہ تھا۔ چنانچہ ان کے حالات زندگی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع ہی سے ذاتِ الٰہی کا عرفان اور اس کی صفات کے بحرِ بیکراں میں پیچ وتاب درد کا معمول تھا۔ موجودات کی ماہیت پر سوالیہ نشان اور خود اپنی ہستی کی حقیقت اور اس کے جواز پر غور وفکر میں درد نے اوائل عمر سے ایک مخصوص لذت اور آسودگی محسوس کی۔ پھر خواجہ ناصر عندلیب سے لے کر امام ربّانی مجدد الف ثانی اور خواجہ بہاؤالدین نقش بند تک صوفیا اور اولیا کی مستحکم روایت!۔ بہ ظاہر وہ اسباب تھے جس نے درد کی تصانیف میں، مباحث اور موضوعات کی راہیں متعین کیں۔ چنانچہ جو بات ان کی تمام تحریروں میں قدرِ مشترک ہے

اور جو چیزیں زمانی تقدیم وتاخیر کے باوجود انھیں ایک رشتہ میں منسلک کرتی ہیں، وہ اشیا کے تئیں ان کا مخصوص رویہ ہے جسے صوفیانہ یا روحانی طریقۂ کار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مظاہر کی حقیقت تک رسائی، محسوسات کے حجاب سے گزر کر ہی ممکن ہے۔ پست حوصلہ اور کم توفیق نگاہیں، حواسِ ظاہری پر اعتبار کرتیں اور حجابات کی پُرفریب کثافتوں کو اصل حقیقت تصور کرتی ہیں۔ جب کہ حِسّی مدرکات اور جزیات کا علم، اہلِ باطن کے نزدیک بے خبری کے سوا کچھ اور نہیں۔ دیگر صوفیا کی طرح درد کے نزدیک بھی علم حقیقی، باطنی انکشاف سے عبارت ہے۔ حقیقت بیں نگاہیں، جزیات کے بجائے ان کے پس پردہ کارفرما اس قوت اور غیر محسوس کیفیت کو حقیقی علم سے تعبیر کرتی ہیں، جسے کلیّات کا علم کہتے ہیں۔ جس کا تعلق مدرکاتِ محسوسہ کے بجائے امورِ معقولہ سے ہے۔

اسرار الصلوٰۃ

درد کی پہلی نثری تصنیف اسرار الصلوٰۃ ہے جس میں ان کی مخصوص فکر کے نقوش گرچہ بہت واضح نہیں ہیں لیکن اعضا کے ظاہری اعمال کے پس پردہ باطنی اور روحانی قوت کی تلاش یہاں بھی نظر آتی ہے۔ درد نے اپنے رسالہ "نالۂ درد" میں اپنی اس پہلی تصنیف کے متعلق لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں، جب وہ حالت اعتکاف میں تھے انھوں نے یہ رسالہ اسرار الصلوٰۃ لکھا۔ اور اس کی تصنیف کے وقت ان کی عمر فقط پندرہ برس تھی۔ رسالہ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمر میں خواجہ میر درد فارسی زبان میں اظہار مطالب پر کس درجہ قدرت حاصل کرلی تھی۔ اسرار الصلوٰۃ فارسی زبان میں لکھی گئی۔ زبان وبیان پر قدرت کا اندازہ رسالہ کے بے تکلّف اسلوب سے بخوبی ہوجاتا ہے۔ نماز کے روحانی نکات جیسے فلسفیانہ مباحث کو درد نے جس سادگی اور سہولت سے بیان کیا ہے، پندرہ برس کی عمر میں ان کے مبلغ علم کے ساتھ ساتھ فارسی زبان سے ان کی مناسبت اور اس کے مزاج سے درد کی واقفیت کو بھی واضح کرتا ہے۔ جگہ جگہ اپنے موقف کی تائید میں قرآن کی آیتوں، اور احادیث نبوی کے حوالے، سے درد نے اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ ارکانِ نماز سے متعلق ان کے روحانی نکات کا سرچشمہ بھی قرآن اور سنّت ہے۔ سیر وسلوک کی باطنی کیفیات قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیمات سے نہ صرف ہم آہنگ

ہیں بلکہ ان کا اصل ماخذ بھی قرآن وسنّت ہی ہے۔

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، نماز کے ارکان اور اس سے متعلق نکات بیان کیے گئے ہیں۔ دیباچہ میں درد نے لکھا ہے کہ ارکانِ نماز سے متعلق یہ نکات معبودِ حقیقی نے ان کے والد کے فیضِ صحبت کے وسیلہ سے ان پر منکشف کیے۔ رسالہ "سات" فصلوں پر منقسم ہے۔ لیکن ہر فصل کے لیے رسالہ کے نام کی مناسبت سے، بجائے فصل، "سِر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے کتاب کے مزاج اور موضوع کے تئیں مصنف کے طریقۂ کار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ارکان نماز چونکہ سات ہیں اس لیے فصلوں کی تعداد بھی سات ہی مقرر کی گئی۔ ارکان نماز کے سات ہونے کا نکتہ بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ اس کی اصل وجہ تو حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ عبادات میں عقلی توجیہات کو دخل نہیں لیکن نکتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی حکمت سے عالم کی بنیاد (۷) سات کے عدد پر رکھی ہے۔ چنانچہ افلاک سات ہیں۔ سیارے سات، طبقات الارض سات، اقلیم سات، شب وروز سات، وغیرہ وغیرہ۔

اسرار الصلوۃ میں فصلوں کی ترتیب اور مباحث کی تفصیل یہ رکھی ہے کہ "سِرِ اول" نماز کی حقیقت اور اس کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ اسی فصل میں نیّت اور تکبیر تحریمہ کا بیان بھی شامل ہے۔ "سِرِ دوم" قیام کے بیان میں، "سِرِ سوم" میں قرآت اور سورۂ فاتحہ کی جامعیت کے متعلق گفتگو ہے۔ "سِرِ چہارم" میں رکوع اور اس کے مناسبات کا ذکر ہے۔ "سِرِ پنجم" میں سجدہ کی حقیقت اور اس عروج کی تفصیلات ہیں جو سجدہ کے وقت نمازی کو حاصل ہوتی ہیں۔ "سِرِ ششم" قعدہ اور ان معارف سے متعلق ہے جو نماز کے اس رکن سے وابستہ ہیں۔ آخری یعنی "ساتویں سِر" میں کسی قول یا فعل کے ذریعہ نماز ختم کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ کہ دوسرے اقوال وافعال کے بجائے لفظ "سلام" کے ذریعہ نماز ختم کرنے میں کیا مصلحت ہے۔

ارکان نماز کی حقیقت اور اس کے فضائل کے ذکر کے علاوہ درد نے اس بات کا بھی التزام رکھا ہے کہ ہر رکن کے ساتھ اس کے مناسب، خدا کی کسی صفت کا تفصیلی ذکر کریں، چنانچہ جملہ ارکان نماز میں کسی مخصوص اسم الٰہی کا ظہور اور پھر اس رکن کی مخصوص نوعیت پر اس اسم کی کیفیت کا انطباق، خاصا فکر انگیز ہے۔ نماز چونکہ تمام عبادات میں سب سے

افضل اور جامع ترین عبادت ہے اور خدا کی صفتِ حیات، اس کے تمام اسما اور جملہ صفات کی جامع ہے اس لیے نماز کی حالت میں خدا کی صفتِ حیات کا ظہور ہوتا ہے۔ نماز کی نیت اور تکبیر تحریمہ چونکہ قلب کے ارادے کا نام ہے اور تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کانوں تک لے جانا گویا کائنات اور ماسوی اللہ سے رشتہ کو منقطع کرنا ہے اس لیے اس حالت میں خدا کے اسم "المرید" (ارادہ کرنے والا) کا ظہور ہوتا ہے۔ تکبیر تحریمہ قلب اور نفس کے فنا کا مقام ہے۔ غرض کہ نماز کے تمام ارکان کی ظاہری کیفیت کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی کیفیت کو بھی درد نے بیان کیا ہے اور اس کے مناسب اسم الٰہی کی تجلیات کے ظہور کی تفصیل پیش کی ہے۔ حالتِ قیام کا ظاہر تو یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر باندھتے ہیں اور قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی باطنی معنویت یہ ہے کہ پوری نیازمندی اور احتیاج کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہیے۔ خدا کے حضور وشہود کے تصور میں پوری محویت کے ساتھ دوسرے تمام رشتوں کو فراموش کرنا چاہیے۔ اگر حضور وشہود کی یہ کیفیت میسّر نہ آئے تو ثانوی درجہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت میں قیام کرنا چاہیے، اور قرأت کو طول دیکر دیر تک قیام کرنا چاہیے تاکہ مخالفتِ نفس کی کیفیت حاصل ہو سکے۔ اس وقت خدا کی صفت "القیوم" نماز کی اس حالت کے مناسب ہے۔ نماز کا یہ رکن یعنی قیام، چونکہ نماز کی اصل حقیقت سے قریب تر ہے اس لیے خدا کی صفتِ "حیات" سے صفت "القیوم" کو بھی ایک خاص قربت ہے۔ چنانچہ قرآن میں ان دونوں صفات کو اکثر ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی "الحیّ والقیوم" بیشتر متصلاً آتے ہیں۔ غرض اس رسالہ میں نماز کے جملہ ارکان کی ظاہری کیفیت اور باطنی معنویت کے ساتھ اسمائے الٰہی سے کسی اسم کی تجلیّات کے ظہور کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

رسالہ کے اختتام پر مصنف نے ایک قطعہ اس مضمون کا درج کیا ہے کہ میں نے اس بحث کو زیادہ طول دینا بہتر نہیں سمجھا، تاکہ بحث ومباحثہ اور قیل وقال کا موقع نہ پیدا ہو، ورنہ اسرار کا یہ دفتر ابتر ہو جاتا۔ اور خدمت کا یہ نقش، نقش دیگر میں تبدیل ہو جاتا۔ اس کے بعد خاتمۃ الکتاب میں قارئین رسالہ سے اس دعا کی خصوصیت سے درخواست کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غنا اور بے نیازی کے دامن سے اس نیازمند کے ہاتھ کو کبھی جدا نہ فرمائے اور ہمیشہ اپنے حضور وشہود کی تجلیّات میں مستغرق رکھے۔